صحیح فیصلہ

آسیہ رزاقی



ناولٹ

سنتے ہیں کہ پہلے زمانے میں دلہن جس ڈولی میں بیٹھ کر رخصت ہوتی تھی، وہ ڈولی جہیز میں دے دی جاتی تھی۔ اب ڈولیوں کا رواج نہیں رہا۔ اب تو دلہن بھی جس کار میں رخصت ہوتی ہے، جو دولہا والے لے کر آتے ہیں۔

مگر سدرہ کی شادی ذرا نرالی تھی۔ وہ لڑکی بھی خاصی منفرد مزاج کی تھی۔ ویسے سدرہ ہی کیا، اس کی سب بہنیں مختلف مزاج رکھتی تھیں۔ ایک ہی گھر میں پیدا ہونے والی، ایک ہی ماں باپ کے زیر تربیت ان سب کی فطرتیں جداگانہ تھیں اور اسی طرح ان کی قسمتیں بھی۔ سدرہ کی شادی تو اسی طرح ہوئی جیسے ہر لڑکی کی ہوتی ہے، مگر اتنا فرق تھا کہ وہ دولہا کی طرف سے آنے والی پھولوں کلیوں سے آراستہ کار کے بجائے اپنی جہیز کی گاڑی میں سوار ہو کر رخصت ہوئی۔

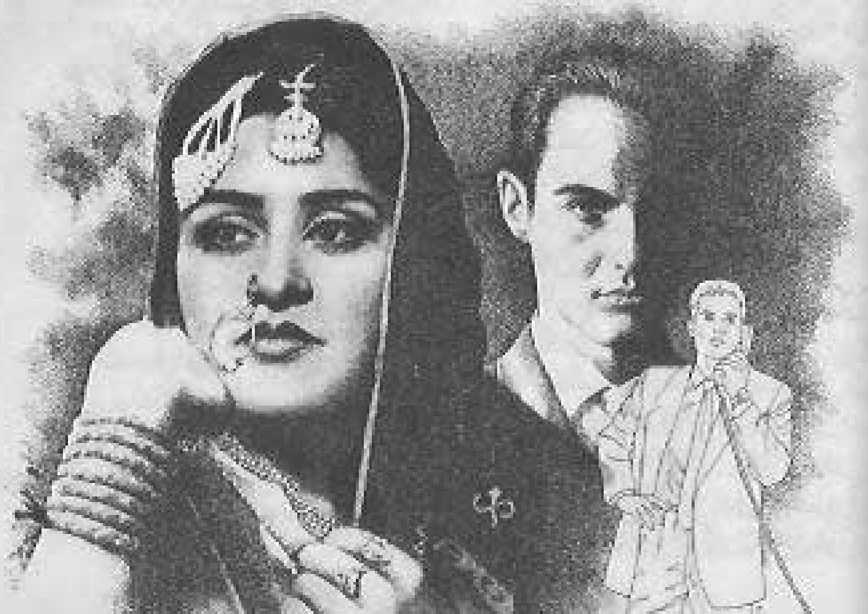
دولہا کی کار میں... دولہا کے رشتے دار جس طرح بارات لے کر آئے تھے، اسی طرح اس میں واپس ہوئے مگر اس میں بھی ایک فرق تھا۔ دولہا سیف دلہن کی جہیزی کار میں اپنی دلہن کے ساتھ رخصت ہوا جسے وہ خود ہی چلا رہا تھا۔

اور یہ سیف کی والدہ کی ضد تھی کہ جہیز ہو نہ ہو مگر شاندار سی کار ضرور دلہن کے ساتھ آئے، ورنہ ان کی بے عزتی ہو جائے گی کیونکہ ابھی چند ماہ پہلے ان کے دیور کی بہو جہیز میں کار لائی تھی۔

سدرہ کے والد اچھے خاصے دولت مند تھے، ان کے لیے یہ کوئی بڑی بات نہ تھی مگر ان کی چھ بیٹیاں تھیں، وہ ان سب کو برابر کا جہیز دینے کا ارادہ رکھتے تھے مگر جب سیف کی والدہ نے اچانک ایک ہفتہ پہلے کار کی فرمائش کر دی تو ان کو بہت غصہ آیا بلکہ ان کے سب بہن بھائیوں کو بھی غصہ آیا۔ سدرہ کا جہیز بے حد قیمتی اور اعلا تھا۔ اب کار کا اضافی خرچ۔

ان کے بھائی نے کہا۔

"ان لالچی خاتون کی سزا یہ ہے کہ جہیز جو بنا ہوا ہے، اس میں سے کچھ نہ دیا جائے، بس ایک کار لے کر دے دی جائے۔ یہ جہیز دوسری بیٹی کے کام آ جائے گا۔"



یہ بھائی پہلے ہی اس رشتے سے ناخوش تھے اور تھے بھی مزاجاً غصیلے۔ انہیں تو غصہ کرنے کے لیے بہانے کی بھی ضرورت نہ تھی۔ یہاں تو بہانہ بھی موجود تھا۔

سدرہ بھی غصے میں کم نہ تھی۔ اس نے بھی اس رائے کو پسند کیا اور فون کر کے منگیتر کو جتا دیا۔

"آپ میں جہیز میں صرف ایک عدد کار لاؤں گی کیونکہ تمہاری والدہ کی خواہش ہے کہ اور کچھ ہو نہ ہو کار ضروری ہو۔ تم کو منظور ہے تو بارات لاؤ ورنہ یہ شادی کینسل۔"

بے چارا سیف پریشان ہو گیا۔ اسے سدرہ بہت پسند تھی۔ اس کی باتیں، اس کا غصہ، اوٹ پٹانگ حرکتیں، سب کچھ برداشت کر سکتا تھا مگر شادی کا کینسل ہونا برداشت سے باہر تھا۔ چنانچہ وہ اپنی ماں سے لڑ پڑا۔

"ٹھیک ہے اگر وہ جہیز میں کار نہیں لا سکتی تو شادی بھی نہیں ہو سکتی۔"

ضدی اماں نے اعلان کیا۔

"پھر وہ صرف کار لائے گی۔" سیف نے کہا۔ "اس کا جہیز اس کی بہن کو مل جائے گا۔ ہمارے پاس ایک گھر موجود تو ہے پھر آپ نے یہ شرط کیوں رکھی۔"

"میری مرضی مجھے ہر حال میں کار چاہیے تاکہ سر اٹھا کر چلوں، خاندان میں واہ واہ ہو۔ کپڑا، برتن، زیور تو غریب ماں باپ بھی دے دیتے ہیں۔ امیر گھر میں شادی کا کچھ فائدہ ہو۔"

ان کا خیال تھا کہ جہیز جو تیار ہے وہ ظاہر ہے ملے گا ہی۔ کار بھی لے لی جائے۔ ادھر سدرہ کے گھر میں ان کے بھی استاد موجود تھے۔ غصیلے چچا نے اپنی دوسری بھتیجی سے اپنے بیٹے کا رشتہ بھی دے دیا اور سدرہ کی شادی کے دن ہی نکاح ہو کر رخصتی ہو گئی۔

سدرہ کے والد کو یہ بات پسند آئی۔ سرمایہ دار اور پھر کاروباری۔ فائدہ نظر آیا تھا۔ دوسری بیٹی کا بوجھ سر سے اترے گا اور ایک بارات کھلانے کا خرچہ بھی بچے گا پھر غصیلے چچا سے سب ڈرتے بھی تھے۔ فوراً "اسریٰ" کا رشتہ منظور ہو گیا کہ لڑکا بہت اچھا تھا، اپنا خاندان تھا۔

چنانچہ ایک ہی دن میں دونوں بہنیں رخصت ہوئیں۔ اسریٰ ٹرک بھر کر سامان لے گئی، سدرہ ایک کار میں۔ ساس کا سر فخر سے بلند ہو گیا۔ وہ جانتی نہیں تھیں کہ سدرہ کے ساتھ چند ضروری اشیاء کے سوا بس ایک کار ہی ہے۔

رات دو بجے دلہن نے سسرال میں قدم رکھا۔ کسی کو پوچھنے کا خیال نہ آیا کہ جہیز کہاں ہے۔ تھکے ہوئے لوگوں کو بس سونے کی فکر تھی۔ سدرہ نے بہت مہنگے بیوٹی پارلر سے میک اپ کرایا تھا۔ اس کا لباس بھی بہت قیمتی اور دیدہ زیب تھا پھر وہ زیور جو اس نے پہنا ہوا تھا نفیس اور بیش قیمت۔ لوگوں کی نظریں ہٹنے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔ وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ اور اتنی حسین دلہن پا کر سیف کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔

اگلے دن ولیمے کی افراتفری رہی۔ ولیمہ بھی شاندار تھا۔ اس کے اگلے دن وہ دونوں سوات و کاغان کی طرف نکل گئے، اپنی قیمتی اور شاندار گاڑی میں۔ مہینہ بھر کے بعد آئے تو سدرہ نے ساس کو بے چین پایا۔ انہیں اس جہیز کی بھی ضرورت تھی جو اصولی طور پر انہیں ہی ملنا چاہیے تھا کہ سدرہ کے لیے بنا تھا۔ یہ سن کر کہ وہ تو اسریٰ کو مل گیا، وہ سخت برہم ہو گئیں۔

"ارے وہ برتن، فرنیچر، کچھ تو ملا ہو گا۔ تحفے تحائف ہی بے شمار ہوتے ہیں۔"

"کار مل گئی ہے، آپ کی یہی فرمائش تھی اور زیور، کپڑا وہ اس نے پہنا ہوا ہے۔"

"ہو، یہ چار چیزیں تو ہو گئیں، ہمیں کیا ملا۔ نہ نندوں کو زیور، نہ مجھے کپڑے، نہ گھر کے لیے برتن۔"

"آپ نے ہی کہا تھا کہ کچھ ہو نہ ہو کار ہونی چاہیے۔ آپ کی پرزور فرمائش پر یہ کار ملی ہے۔"

"لو بھلا سسرال کا کچھ... ارے کہنے کا یہ مطلب تو نہیں تھا کہ کچھ بھی نہ دو۔ عجب کوڑھ مغز سسرال ہے تیرا۔ ذرا سی بات کو پکڑ کر بیٹھ گئے۔ دنیا کے دستور بھلا بدلے..."

اماں جزبز ہو رہی تھیں۔

"چھوڑیں دنیا کے دستور اماں! مجھے بیوی، آپ کو بہو مل گئی۔ مجھے اس کے سوا اور چاہیے بھی نہیں اور آپ تو میری شادی چچا زاد کی بیٹی سے کرنا چاہتی تھیں، ان سے کار تو کیا، کار بھی نہ ملتی۔"

"ارے ہاں، پتا ہے ہمیں، وہ تو اپنے تھے، ہمیں سب معلوم تھا کہ کچھ نہ ملے گا مگر یہ تو امیر لوگ ہیں، یہاں سے بھی نہ کپڑے کا نہ سونے کا تار ملا پھر ہمارا کیا فائدہ ہوا۔ رہی لڑکی، بیٹی کا رنگ ہی کالا ہے ورنہ اس میں کیا برائی تھی۔ یہ تو تمہاری بہنوں کے ارمان تھے کہ بھابھی خوبصورت، گوری چٹی ہو۔"

"اماں صبر کریں اور یہی سوچ لیں کہ نہ وہاں سے نہ یہاں سے ملا۔ یہاں سے تو حسین مل گئی۔"

سیف تو بہت ہی مطمئن تھا۔ مگر اماں سخت پریشان تھیں۔ بیٹیوں کو پیسا تو نہ ملنے کا قلق، خود انہیں کچھ بھی "نہ ملنے کا ملال۔"

اب سدرہ کے ساتھ سرد مہری کا سلوک برتا جانے لگا۔ سدرہ نے بھی جتا دیا کہ۔

"آپ کی عین وقت کی فرمائش پر یہی ہوا ہے۔ پانچ لاکھ کا جہیز اسریٰ کو، پانچ لاکھ کی گاڑی مجھے، بلکہ زیور کپڑے بھی مجھے مل گئے۔"

ساس جل بھن کر رہ گئیں۔

اور جب غصیلے چچا نے سیف کے گھر والوں کی دعوت کی تو سب نے اس جگمگاتے جہیز کے لوازمات دیکھ لیے۔

اسریٰ نے اپنی کراکری میں کھانا کھلایا۔ گھر کے ہر حصے میں بیش قیمت فرنیچر، ڈیکوریشن کی بے شمار اشیاء۔ سونے کی پالش کے چمچے، کانٹے، چھریاں، کرسٹل کا ڈنر سیٹ اور کرسٹل کے فانوس جو ہر کمرے میں روشنیاں بکھیر رہے تھے، گھر جگمگ کر رہا تھا۔

اسریٰ کی ساس نے انہیں پورا گھر دکھایا۔ ہر جگہ اسریٰ کے جہیز کا سامان سجا ہوا تھا۔ الف... کیا نفیس فرنیچر تھا۔ قالین اور جھلملاتے پردے۔

"ہمارے پاس تو لکڑی کا معمولی فرنیچر تھا، پرانا۔ یہ سب چیزیں اسریٰ کے جہیز کی ہیں۔ اگر آپ کار کے لیے ضد نہ کرتیں تو یہ سب آپ کے گھر میں ہوتا۔"

غصیلے چچا کی نرم خو بیگم نے پان سے رنگے منہ کو کھول کر قہقہہ لگایا اور سدرہ کی ساس کے سینے پر سانپ لوٹ گئے۔

اسریٰ کی ساس، نند، سدرہ کا بھی صدقہ اتار رہی تھیں جس کے طفیل میں ان کو اتنا کچھ مل گیا۔ غصیلے چچا بھی اب خوش مزاج ہو گئے تھے اور اشرف، اسریٰ کا شوہر، اسریٰ کے پاس سے ہٹنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ جہاں وہ جاتی پیچھے پیچھے جاتا۔

"ہمارے گھر میں بہو کی صورت میں جنت کی حور آئی ہے۔ دنیاوی ساز و سامان کے ساتھ۔ اللہ اسے سلامت رکھے، ایک حور آپ کے گھر، ایک ہمارے ہاں۔"

اسریٰ کی ساس نے پھر قہقہہ لگایا اور سدرہ کی ساس کو تو وہ صاف مذاق اڑاتی ہوئی لگیں۔

اسریٰ کی ساس دعائیں پہلے دیتیں، بات بعد میں کرتیں۔ غصیلے چچا نے سیف کو "سلامی" میں سونے کی گھڑی اور سدرہ کو قیمتی سوٹ دیا، ساس کو پشمینے کی شال اور نندوں کو بھی ٹاپس دیے۔

ساس گھر آتے ہی بیٹے پر الٹ گئیں۔

"ارے سسرال کے چچے! کچھ ہوش کر، تیری سالی کے کیا عیش ہیں۔ ایک تو قسمت کا ماڑا ہے، بیوی اور گاڑی پر ہی خوش ہو گیا۔ دیکھا تھا ان کا گھر اور سامان۔ ہائے ہائے! اتنی احمق اور کالی اولاد اللہ کسی کو نہ دے جیسی مجھے دی ہے۔"

سیف نے پروا ہی نہیں کی۔ اب وہ ادھر سے مایوس ہو کر سدرہ کو ہی "قوالی" سنایا کرتیں۔

"سارا کچھ بہن کو دے ڈالا۔ کس دل گردے کی لڑکی ہو۔ ارے اپنا حق تو لینا چاہیے تھا۔ اپنا گھر ہی جگمگا لیتیں۔"

وہ جانتی نہیں تھیں کہ سدرہ ذرا مختلف لڑکی ہے۔ اگر وہ پورا جہیز لاتی تو سارے گھر میں سجانے کے بجائے

اپنا الگ گھر لیتی تاکہ سجاتی' نہ کہ ساس نندوں کے نخرے کے لیے گھر کو چمکاتی۔ اب بھی اپنی چیزوں کو اپنے کمرے ہی میں رکھتی تھی۔ سیف تو اس کے حسن کا عاشق' اداؤں کا دیوانہ' اس کی باتوں کا رسیا تھا۔ اسے اس کی ہر ادا' ہر بات اچھی لگتی تھی۔ وہ اماں کے طنز بھی سکون سے برداشت کر لیتا۔

سدرہ نے نندوں کے مانگنے پر نہ اپنا موتیوں کا جیولری سیٹ دیا' نہ نگوں والی چپل۔ وہ اپنی لپ اسٹک بھی دینے کی روادار نہ تھی۔ بہنوں نے بھائی سے شکایت کر دی۔ وہ کندھے اچکا کر دوسری سمت دیکھنے لگا۔ گویا "میں کیا کروں۔"

ساس البتہ بھنا گئیں۔ "ارے بھئی' ہمارے ہاں ڈیڑھ اینٹ کی مسجد نہیں بنائی جاتی۔ مل جل کر رہنے میں برکت ہوتی ہے محبت بڑھتی ہے۔"

سیف چپ۔

"بہو کو اکیلے بیٹا بھی نہیں آنے دیکھا تھا صبح پورا جلا ہوا۔"

سیف چپ۔

☼ ☼ ☼

مہینہ گزر گیا۔ ایک دفعہ کے بعد سدرہ نے کچن میں جھانکا بھی نہیں تو ساس نندیں بہت جلبلائیں۔

"ارے بھئی' کس بات کا غرور ہے۔ دان دہیز لائی نہیں پھر کس بات پر اترائی ہے۔ گھر ہے تو ان ہی کے مصرف میں۔ کسی اور کو بیٹھنے کی اجازت نہیں۔ میری بیٹیاں پیدل جائیں' دروازے پر کار کھڑی رہے۔"

آخر وہ بدو کی خیالی۔ سدرہ عموماً "چپ" رہتی تھی مگر جب اسی سے سوال کیا گیا تو اسے کہنا پڑا۔

"میرے باپ نے میرے لیے دی ہے۔ میں اپنی چیز کسی کو نہیں دیا کرتی۔ گھر میں جو گاڑی ہے اسے استعمال کریں۔"

"اللہ اللہ۔ زبان ہے کہ قینچی۔"

سیف کو شکایتوں کے ڈھیر سے وصول کرنا پڑتے۔ سدرہ نے کبھی ساس نندوں کی شکایت اس سے نہیں کی۔ وہ اس بات پر سدرہ کا ممنون تھا۔ وہ اس بات سے بھی واقف تھا کہ عرصہ پہلے بڑے بھائی کو بھی بیوی کی شکایتیں سنا سنا کر بیزار کر دیا تھا جنھوں نے گھر میں اکثر تو تو میں میں ہو جاتی۔ بھائی بھابھی سے بھی خفا رہتے۔ آخر انھوں نے اپنا ٹرانسفر کراچی کرا لیا۔ اب سال دو سال بعد ہی ملنے آتے یا اماں خود جا کر مل آتیں۔

سیف کی شادی پر بھائی بھابھی آ کر ایک ہفتہ رہ کر چلے گئے۔ اب اماں نے سدرہ کے خلاف محاذ کھول لیا۔

"بہو نہ دان دہیز لائی' نہ کام کاج سے واسطہ۔ ہمارے گھر میں یوں دندناتی پھرتی ہے جیسے وہی اس گھر کی مالک ہو۔"

سن سن کر سدرہ بھی جھلا گئی۔ ایک دن چند چیزیں اس نے بیگ میں بھریں اور کمرہ لاک کیا۔ نند نے اماں کو بتایا۔

"گھر سے جانے کی تیاری ہو رہی ہے۔"

"جائے بھاڑ میں' میں اپنے بیٹے کی دوسری شادی کروں گی۔"

یہ سن کر بھی سدرہ چپ رہی۔ اپنا سامان اٹھا کر وہ کسی سے پوچھے کہے بغیر باہر گئی۔ گاڑی میں سامان رکھا' اندر بیٹھی' دروازے بند ہوئے مگر دیر تک اسٹارٹ ہونے کی آواز نہ آئی۔ شام تک گاڑی اپنی جگہ پر کھڑی رہی۔ سدرہ اندر بیٹھی موسیقی سے دل بہلاتی رہی اور بڑی دلچسپی سے شادی اور ہنی مون کی تصویریں البم میں لگاتی رہی۔ تصویریں بہت جمع ہو گئی تھیں۔ البم میں لگانے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ وہ کچھ دیر سوئی بھی' کچھ کھایا بھی' شام کو سیف کے ساتھ باتیں کرتی اس طرح اندر آئی جیسے وہ سیف کے ساتھ ہی کہیں گئی تھی۔ اماں کو صبر کہاں' جونہی بیٹا ہاتھ لگا وہ شروع ہو گئیں۔

"ارے پوچھ تو سہی کہاں رہی دن بھر۔" (حالانکہ معلوم تھا اسے کہ سب ہی کھولے آرام سے بیٹھی کچھ کر رہی ہے۔)

"بات کیا ہوئی کہ گھر سے نکل گئی۔ ذرا ادب میں رکھو ابھی سے۔ نہیں تو پچھتاؤ گے۔ بڑی سر پھری لگتی

ہے۔ باپ کے پیسے کا غرور ہے اسے۔"

سیف جانتا تھا' وہ مغرور ہے نہ سرپھری۔ وہ موبائل فون سے سیف کو اطلاع دے چکی تھی۔

"گھر میں وہ کر ٹینشن کا شکار ہونے سے بہتر ہے' میں باہر رہوں۔ میں گاڑی میں ہوں اور ایم سیٹ کررہی ہوں۔"

پھر کچھ دیر بعد سیف کے پوچھنے پر بتایا کہ وہ سینڈوچ کھا کر تھرموس سے پانی پی کر پچھلی سیٹ پر آرام کررہی ہے۔ غرضیکہ وہ اس کے حال سے واقف رہا۔

اسی طرح کئی دن گزر گئے۔

اب وہ باقاعدہ کھانا بھی تیار کرواکر لے جاتی یا دوپہر کو اندر آکر خود ہی کچن میں جاکر کھالیتی پھر واپس چلی جاتی۔ کوئی نہ کوئی مصروفیت بھی تلاش کرتی۔

فضیلے چچا کی بیگم بہت کارگزار اور سلیقہ مند خاتون تھیں۔ سدرہ کے لیے انہوں نے ایک جارجٹ کی ساڑھی لی تھی پر وہ کچھ کڑھائی کرکے سدرہ کو دینا چاہتی تھیں' لیکن اچانک بیٹے کی شادی طے ہونے سے انہیں ٹائم نہ ملا تو وہ ساڑھی اور اس کا ریشم جو وہ لے کر رکھ چکی تھیں' سدرہ کو دے دیا کہ وہ کسی سے کڑھائی کروالے مگر اب سدرہ کو خیال آیا کہ وہ خود بھی یہ کام کرسکتی ہے۔ چنانچہ گاڑی کے اندر ٹھنڈے موسم میں بیٹھ کر اس نے ساڑھی پر کام مکمل کیا۔

پھر ایک دوپٹہ لے آئی۔ اس پر موتی ستارے لگائے۔

اب کیا کرے' چنانچہ چچی کے پاس پہنچ گئی۔ انہوں نے اسے سوئٹر بننا سکھا دیا۔ اسے اون سلائیوں کا کھیل بہت دلچسپ لگا۔ وہ نٹنگ کی کتاب خرید لائی۔ ڈیزائن بھی سیکھے اور سوئٹر کے کندھے گلے اور بازوؤں کے متعلق بھی سب کچھ معلوم ہوگیا۔ چند دن میں ہی سیف کا سوئٹر تیار ہوگیا پھر اپنا بھی بنالیا۔

اب وہ کچھ میگزین لے آئی۔ دن بھر پڑھتی رہتی۔ اماں تنگ آگئیں۔ اب بیٹے سے کیا شکایت کریں۔

"ارے' اس نے جو یہ نیا طریقہ اختیار کیا ہے' اس کا انت ہوگا کہ نہیں۔ پوچھو تو سہی' کب تک گاڑی پر چڑھی رہے گی۔"

"وہ اپنی مرضی کی مالک ہے اماں! میرے کہنے سے کیا ہوگا۔ ویسے بھی تو گھر میں کمرے میں رہتی تھی۔ آپ کے کسی کام کی نہیں تو جہاں رہے' رہنے دیں۔ چخ چخ نہیں ہوتی' یہ کافی ہے۔"

☼ ☼ ☼

چھٹی کا دن وہ گھر میں گزارتی یا دونوں میاں بیوی کہیں سیر و تفریح کو چلے جاتے یا کسی رشتے دار کے ہاں۔ سدرہ کے میکے یا فضیلے چچا کے گھر بھی دونوں کا دل لگتا تھا۔ اشرف اور اسری سے سیف کی بھی دوستی ہوگئی تھی بلکہ فضیلے چچا جو اب ہنس مکھ ہوچکے تھے' وہ بھی سیف کی بہت خاطر مدارات کرتے۔

سدرہ سے تو ان کو عقیدت ہوگئی تھی کہ اس کا قیمتی جہیز گھر میں پھیلا ہوا تھا اسی کی بدولت یہ پرانا گھر رنگ و نور کی کرنوں سے مزین ہوا تھا۔

اسری یوں بھی بہت نیک اور سادہ سی لڑکی تھی' ہنس مکھ اور چنچل۔ وہ گھر میں ساس نندوں میں گھل مل گئی۔ پہلے وہ چچا کی فیملی سے بے تکلف نہ تھی۔ دراصل وہ بہنیں ان کے گھر کم ہی آتی تھیں۔ البتہ اشرف اکثر اسری کے گھر جاتا تھا اور اسی لیے رشتے میں کوئی رخنہ نہ پڑسکا کہ اسری کے والدین بھی اشرف کو پسند کرتے تھے۔ اشرف ایسا عاشق کہ وہ دن کو رات کہتی تو اسے چاند ستارے چمکتے نظر آجاتے۔ گھر سکون و آرام کا گہوارا بن چکا تھا۔ اشرف کو ایک اچھی اور باوقار ملازمت مل گئی تھی۔

پرانا فرنیچر انہوں نے سرونٹ کوارٹر کی ضروری مرمت کرواکر اس میں سیٹ کروایا۔ اسے کرائے پر اٹھا دیا گیا۔ ڈرائنگ روم کا صوفہ اور اشرف کے کمرے کا فرنیچر اوپر کے کمرے میں پہنچا کر اسے بھی مناسب کرائے پر دے دیا اس سے کافی حد ان کے مالی مسائل حل ہوگئے تھے۔

اشرف نہیں جانتا تھا کہ ابا جان کی خوش بیانی کب

تک قائم رہے گی' اس لیے وہ اس موقع سے خوب فائدہ اٹھا رہا تھا۔ روزانہ بیوی اور بہنوں کو سیر و تفریح پر لے جاتا۔ فلم دکھانے یا کسی پکنک پر۔ کبھی کبھار کھانا بھی باہر کھایا جاتا۔ اسری کا وجود سب کے لیے مبارک ثابت ہوا تھا مگر ایک روز اشرف کی غیر حاضری کسی نقصان کا سبب بن گئی اور گھر پھر ایک زلزلے کی زد میں آگیا۔

ابا جان اچھی طرح بیٹے کی خبر لے رہے تھے۔ اس کی فضول خرچی اور غیر ذمہ داری پر زبردست لیکچر دیا جارہا تھا۔ اسری ڈرتے ڈرتے اندر آئی۔ اس کے ہاتھ میں ٹھنڈے پانی کا گلاس تھا جو چچا کو اس نے پیش کردیا۔

فضیلے چچا کو لاڈلی بہو' بیٹی بھتیجی کی آمد غیر ضروری محسوس ہوئی مگر اس کے ہاتھ سے پانی کا گلاس تھام کر غٹاغٹ چڑھا گئے۔ غصہ ہرن ہوچکا تھا۔ بالآخر اسری کی آمد سے اشرف کو ڈانٹ پھٹکار سے نجات ملی۔

☼ ☼ ☼

سدرہ کو کوئی سوجھی۔ وہ بی اے کرچکی تھی اب ایم اے کا نصاب لے آئی۔ پورا دن پڑھتی۔ اس نے پرائیویٹ امتحان دے دیا۔ سیف کو تو اس کی مصروفیت سے کوئی پریشانی نہ تھی مگر ساس جھنجلا گئیں۔

"ارے بھئی' یہ کتنے دن کا بن باس ہے۔ کچھ میعاد بھی ہے۔ بہو لائے تھے کہ گھر میں رونق ہوگی' کچھ سکھ ہمیں بھی ملے گا مگر یہاں تو نقشہ ہی جدا ہے۔ گھر کیا سرائے ہے کہ رات کو گھر میں تشریف لائیں' صبح کو پھر اس خود ساختہ جیل میں۔"

ایک سال آرام سے گزر گیا۔ کوئی سدرہ سے ملنے آتا تو وہیں گاڑی میں ملاقات ہوجاتی یا پھر لان میں چہل قدمی ہوتی۔ ماں باپ نے بھی سمجھایا۔

"کیوں لوگوں کو اعتراض کا موقع دیتی ہو۔ آرام سے گھر میں رہو۔ ساس کچھ کہتی ہیں تو سن لو' وہ تیر تو نہیں مارتیں کہ زخم ہوجائے۔"

"وہ تیر ہی مارتی ہیں مجھ سے زبان کا زخم برداشت نہیں ہوگا۔ اس کے علاوہ ابھی تک تو ایک ہی شکایت ہے کہ میں گھر میں نہیں رہتی۔ گھر میں رہوں گی تو ہر وقت سیف سے میری برائیاں ہوں گی۔ سیف بہت جلد ٹینشن لیتے ہیں' اب وہ بھی بے فکر ہیں' میں بھی آرام سے۔ گرمی میں اے سی چلا لیتی ہوں' سردی میں ہیٹر۔ اب تو گھر میں خانساماں بھی آگیا ہے۔ مجھے کھانے پینے کا آرام ہوگیا ہے اور سیف کو بھی۔"

خاندان کیا' ہر جگہ ان بہنوں کی شہرت تھی کہ سب ایک دوسرے سے جداگانہ' مختلف فطرت اور عادت کی ہیں اور سب ذہین و فطین۔ مضبوط قوت ارادی کی مالک۔ اسری سے چھوٹی انعم اور یسری پینٹنگ اچھی کرتی تھیں۔ بہت ماڈرن اور شوخ و شنگ تھیں۔ سیر و تفریح کی دلدادہ۔ ہلے گلے کی شوقین۔ دونوں کے رشتے ایک ساتھ طے ہوگئے۔

اب سدرہ کی نئی مصروفیت۔ اس نے بہنوں کے جہیز اپنی پسند کے بنائے۔ شاپنگ کے لیے بھی کسی بہن کو ساتھ لے جاتی' کبھی ماں کو۔ اپنی شاپنگ بھی کررہی تھی' اسی دوران طبیعت خراب ہوگئی۔ ڈاکٹر نے خوشخبری سنائی۔ اب تو ساس نے بہت شور مچایا مگر وہ بھی ضدی تھی۔ اسے اب اس گاڑی کی عادت ہوگئی تھی۔ پچھلی سیٹ پر پھیلا کر آرام بھی کرتی' بچے کے لیے سوئٹر' ٹوپی بھی بناتی' کپڑے لاکر ان میں ایمبرائڈری کرتی' گھر میں بھی ضرورت پڑنے پر چلی جاتی۔

پھر وہ وقت آگیا جب اسے اسپتال جانا تھا۔ وہ ایک صحت مند بچے کی ماں بن گئی۔ کچھ عرصہ ماں کے پاس رہ کر اپنے گھر آگئی اور چند دن بعد پھر اس نے کار میں رہائش اختیار کرلی۔ اب اس گاڑی میں بچے کی قلقاریاں سنائی دینے لگیں۔

لوگ انگشت بدنداں تھے۔ ساس سخت ناراض۔ سیف کو چھوٹے بچے بہت اچھے لگتے تھے۔ شام کو وہ اسے گود میں اٹھائے اندر آتا تو ماں بس منہ پھلائے پھرتیں' وہ سوچتا۔

"سدرہ جو کرتی ہے' درست ہوتا ہے۔ ساس

نندوں کے ایسے موڈ کے ساتھ خوش رہنا ممکن تو نہ ہوگا۔ وہاں وہ خوش ہے تو ٹھیک ہے۔ آپس میں چپقلش تو نہیں ہے۔"

پھر اس کی بہنوں کی شادیوں کا مرحلہ آگیا تو وہ جوش و خروش سے کام میں لگ گئی۔ نندوں کو ساتھ لے جا کر شاپنگ کرائی۔ دو بہنوں کی شادیوں کا بوجھ سیف کو پریشان کر رہا تھا تو سدرہ نے اس کی ٹینشن کم کرنے کے لیے اپنے دو ڈنر سیٹ اور دو جیولری سیٹ جہیز میں رکھ دیے۔

"یہ ڈنر سیٹ کہاں سے آئے؟" سیف حیران تھا۔

"میرے ہی ہیں۔ بابا نے بعد میں دے دیے تھے۔ میں نے چھپا کر رکھے تھے کہ شاید کبھی ضرورت پڑ جائے۔ دیکھا! ضرورت پڑی کام آئے۔"

سیف شرمندہ ہو گیا۔

"تم میرے لیے اتنا کچھ کرتی ہو اور میں تمہیں گھر میں رہنے کی آزادی بھی نہیں دے سکتا۔ زیور کے سیٹ تو تم رکھ لو۔ میں کسی طرح انتظام کر لوں گا۔"

"نہیں، میں نے دے دیے ہیں۔ تم بے فکر رہو۔ میں پھر بھی بنا لوں گی۔ مجھے زیورات کا شوق بھی نہیں ہے۔ بس تم کھانے پر توجہ دو، باقی رسموں کا میں انتظام کر لوں گی۔"

سیف نے ممنون نظروں سے اسے دیکھا۔ واقعی ایک ذہین، باشعور اور ہمدرد بیوی نعمت سے کم نہیں۔ اس نے بارہا سیف کی پریشانیوں میں حصہ لے کر پریشانی کم کرنے میں بھرپور ساتھ دیا۔ گو کہ کئی بار لوگوں نے مضحکہ اڑانے کی کوشش کی۔ کسی نے "کار نشین ہو" کسی نے "او گاڑی والی" کہہ کر بلایا۔ سدرہ بھلا کب چپ رہتی۔

"دیکھیں بھابھی! میں نے یقیناً کوئی اچھی مثال قائم نہیں کی، گھر میں سسرال چھوڑ کر نہیں گئی۔ میری راتیں اسی گھر کی چھت کے نیچے گزریں۔ اندر چونکہ ٹینشن تھی اس لیے میں باہر آگئی۔ باقی گھر والے بھی سکون سے رہیں اور میں بھی اور کسی کا نقصان بھی نہیں ہوا۔

سدرہ جانتی تھی کہ اسے مخاطب کرنے والی جاب کرتی تھیں۔ ان سے بھی اس نے مسکرا کر کہا۔

"مجھے دیکھیں میں جاب کرتی ہوں۔ صبح گھر سے نکلی، شام کو واپسی۔"

* * *

نندوں کی شادی ہو گئی تو وہ گھر میں ہی رہنے لگی۔ ساس سے بحث تو اب بھی ہوتی مگر اس نے برداشت کی عادت ڈال لی۔ البتہ جب اس کے ہاں بیٹی ہوئی تو اس کی من موہنی صورت اور پیاری ادائیں دل کے اندر خوشیوں کے پھول کھلا دیتیں۔ پھر دوسری بیٹی نے اس کے دل کو عجیب سا چین اور قرار بخش دیا۔ اس وقت ساس نے پریشانی کا اظہار کیا۔

"کہیں تم پر ماں کا اثر نہ ہو گیا ہو، دو بیٹیاں اب بس کر بھی...."

اسے ساس کا طعنہ بہت ناگوار گزرا۔ ان بہنوں کا کوئی بھائی نہ تھا۔ مگر کسی کو اس کا ملال نہ تھا۔ ایک بہن تحسین کو ان کی بے اولاد پھپھو نے لے لیا تھا۔ اب آفرین رہ گئی تھی۔

آفرین مزاجاً سب بہنوں سے جدا تھی۔ قدرے لاابالی، بے فکری، نوکروں کے بچوں کے ساتھ گھنٹوں کھیلتی۔ بوا سے اس نے روٹی پکانا بھی سیکھ لیا۔ چاروں بہنوں کی شادیوں کے بعد وہ اب بوا کے ساتھ کچن میں گھسی رہتی۔ ان کی بیٹی سے اس نے سوئٹر بننا اور کروشیے کا کام بھی سیکھ لیا۔

بوا ایک شریف خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ بابا نے انہیں سرونٹ کوارٹر دیا ہوا تھا۔ اور وہ گھر میں قریبی عزیزوں کی طرح رہتی تھیں۔ گھر میں ہی سب کے ساتھ ان کا کھانا پینا تھا۔ آفرین کی تنہائی کے خیال سے اسی کے کمرے میں سونے بھی لگیں پھر ان کی بیٹی بیوہ ہو کر مستقل یہیں آگئی اور سلائی کڑھائی کا کام شروع کر دیا جس سے اچھی خاصی آمدنی ہو جاتی۔

آفرین اپنی فرینڈز سے بھی ان کے لیے کام لاتی۔ آفرین نے بوا کی گود میں ہی پرورش پائی تھی۔ وہ گھر کے کاموں میں بہت دلچسپی لیتی تھی۔ آفرین میں بہنوں والی امیرانہ خو بو نہ تھی۔ اس کے دوستوں کی تعداد بھی بہت تھی۔ وہ بوا کی بیٹی حمیرا کو آپا کہتی تھی۔

سدرہ کو آفرین سے بہت محبت تھی۔ وہ سب سے چھوٹی اور آفرین سب سے بھولی تھی۔ سدرہ کہتی۔

"اگر میرا دیور ہوتا تو میں آفرین کو دیورانی بنا لیتی۔"

اس پر آفرین برا مان جاتی۔

"کیوں بھئی! سیف جیسا ان کا بھائی بھی ہوتا۔ نیک اور شریف۔" سدرہ کو آفرین کا منہ بنانا اچھا نہیں لگا۔

"اور جو والدہ ہیں 'محترم سیف صاحب کی' ان کے ساتھ گزارا نہیں ہوتا۔"

آفرین صاف بات کہنے کی قائل تھی۔ سدرہ کی طرح۔ سدرہ کو ہنسی آگئی۔ "میرا بھی پہلے پہل گزارا نہیں ہوتا تھا۔ اب.... وہ بھی ٹھیک.... میں بھی خوش...."

"جی نہیں، یہ کہیے آپ کو عادت ہو گئی ہے۔"

"تو تمہاری ساس کیا عرش بریں ہوں گی۔ اگر وہ فرش بریں ہوئیں اور میری ساس سے زیادہ سخت اور تیکھی ہوئیں.... پھر....؟"

"پھر.... میں واپس آجاؤں گی۔ مگر میں سمجھوتہ نہیں کر سکتی کیا! منافقت مجھے گوارا نہیں۔"

"پگلی! سب کہنے کی باتیں ہیں۔ ہمارے معاشرے میں والدین بیٹی کے لیے بر تلاش کرتے ہیں۔ اور بیٹی یا لڑکی کو وہیں زندگی گزارنی ہوتی ہے۔ کیونکہ 'نصیب' والدین اچھے رشتے کی تلاش میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ ہم بہنوں کی مثال سامنے ہے۔ اگر سب اپنی والدہ کی طرح نکتہ چیں، بدگمان وغیرہ ہوتے، لیکن پھر بھی ان ہی کے ساتھ رہنا پڑتا کہ یہ والدین کا انتخاب تھا۔ ہم لڑکیاں والدین کی خواہش پر سمجھوتہ کرتی ہیں۔"

"میں نہیں کروں گی۔ اپنی قیمتی زندگی کی قربانی صرف والدین کی خواہش پر...."

"تو تم خود ہی پسند کر کے شادی کر لو گی اور اگر تب بھی وہ تمہاری توقعات کے خلاف نکلا؟ جیسا کہ اکثر ہوتا ہے کہ لڑکیاں جذبات میں کچھ بھی نہیں سوچتیں۔"

سدرہ مایوس ہو گئی۔ آفرین نہ جانے کس قسم کا شریک حیات چاہتی تھی۔

"خود ہی پسند کرنے کا موقع شاید نہ ہی ملے۔ ماں باپ کی پسند کو پرکھنا ضرور چاہوں گی۔ اور کسی انجان کے ساتھ تو.... زندگی مشکل ہو گی۔"

"تو وہ جانا پہچانا کون ہے؟ کیسا ہے؟" سدرہ کو یقین ہو گیا آفرین کسی کو پسند کرتی ہے۔

"فی الحال تو کوئی نہیں۔ لیکن وہ جو بھی ہو گا ارادے کا پکا، وعدے کا سچا۔ ہر مشکل سے گزر جانے والا۔ دیانت دار...."

"کبھی بھی کہی...." سدرہ کو ہنسی آگئی۔ "یہ ایک آدمی تو نہیں ہے۔ یا تمہارے خیال میں ایک آدمی اتنی بہت خوبیوں والا ہو گا۔"

"ہونا چاہیے...." آفرین نے مطمئن انداز میں کہا۔

* * *

بوا کی بیٹی حمیرا کی سسرال گاؤں میں تھی۔ حمیرا کی ساس بھی کبھار پوتے، پوتی سے ملنے آتی تھیں۔ گاؤں سے گندم وغیرہ بھی آجاتی۔ کبھی دیسی گھی کا تحفہ بھی آجاتا۔ حمیرا کا دیور انجینئرنگ یونیورسٹی کا طالب علم تھا۔ دیکھنے میں بڑا شائستہ اور شریف النفس۔ کبھی کبھار وہ بھی آجاتا۔ آفرین کی اس سے دعا سلام تھی۔ کیونکہ وہ اکثر حمیرا کے بچوں کے ساتھ لان میں کھیل رہی ہوتی تھی۔ بچے چاچا کو دیکھتے ہی بھاگ جاتے۔

اس روز اس کا ایک ضروری ٹیسٹ تھا۔ باہر آکر اسے علم ہوا کہ بڑی گاڑی ورکشاپ میں تھی اور چھوٹی کار پر بابا چلے گئے تھے۔ آفرین سخت پریشان تھی۔

"ڈرائیور کو تو معلوم تھا اس نے بابا کو بتایا تو ہو گا۔ پھر

بھی۔" اندر جا کر ماں کے سامنے غصہ نکال کر وہ پھر باہر آئی اور ملا نے کہہ دیا۔

"رکشے پر چلی جاؤ۔"

"ظاہر ہے رکشے پر ہی جاؤں گی۔"

"رکشے اور ویگنوں کی ہڑتال ہے۔" ملا نے آ کر اطلاع دی۔

"حمیرا کا دیور موٹر سائیکل پر آیا ہے۔ اس کا کالج تو تمہارے کالج سے آگے ہے۔" بوا نے بتایا۔

"تم اس کے ساتھ چلی جاؤ۔ پہنچا دے گا آرام سے میں ابھی روکتی ہوں اسے تم آؤ۔"

وہ ملا کی طرف دیکھتی ہوئی باہر آ گئی۔ ملا چپ بیٹھی تھیں۔ اس کے ہر معاملے میں وہ اسی طرح بے نیاز ہو جاتی تھیں۔ دراصل اس بچی کی بار وہ بیٹے کی آس لگائے بیٹھی تھیں۔ مگر بیٹی دیکھ کر مایوس ہو گئیں۔ اس نے بوا کی گود میں پرورش پائی۔ سدرہ اور اسریٰ بھی اس کا خیال رکھتی تھیں۔

"آج آفرین کا پیپر ہے اور کوئی گاڑی نہیں ہے۔ آفرین کا کالج تمہاری یونیورسٹی کے راستے میں ہے۔ ایسا کرو۔ تم اس کو کالج چھوڑتے ہوئے چلے جاؤ۔" بوا نے تفصیلاً سمجھایا۔

واثق اپنی بھابھی یعنی حمیرا سے کچھ بات کرنے آیا تھا۔ اس نے ہچکچا کر آفرین کو دیکھا۔

"اللہ مارے رکشوں کی ہڑتال ہے۔ ورنہ۔۔۔" بوا نے پھر لقمہ دیا۔

واثق بائیک پر بیٹھا تھا۔ گردن موڑ کر آفرین کو دیکھتے ہوئے اس نے کک لگائی۔ آفرین جلدی سے پیچھے بیٹھ گئی۔ چند منٹ بعد وہ کالج کے گیٹ پر کھڑی تھی۔ نیچے اتر کر اس نے لمبا سانس لیا تھا۔

"اُف۔۔۔ توبہ۔ آپ تو ہوائی جہاز کے پائلٹ لگ رہے تھے مجھے۔"

وہ مسکرایا "سوری۔ میں نے تو آپ کے خیال سے تیز دوڑائی تھی کہ کہیں آپ لیٹ نہ ہو جائیں۔ آپ کا پیپر ہے نا آج اور رکشوں کی بھی ہڑتال ہے۔"

اس نے سامنے دیکھا۔ جہاں رکشہ آ کر رکا تھا۔ آفرین نے نظرانداز کر دیا۔

"اچھا۔۔۔ تھینک یو۔" اس نے واثق کی بات کا جواب دیا۔

آفرین نہیں جانتی تھی کہ اس دن اپنے ٹائم پر کالج پہنچنا اس کی زندگی کا ہولناک ترین حادثہ ہو گا۔ ورنہ وہ گھر سے نکلنے کی جرأت نہ کرتی۔ مگر قسمت جو نقشہ جمائے بیٹھی تھی۔ اس میں ردوبدل کی گنجائش نہ تھی۔

بابا ایک بے حد ضروری کام کے سلسلے میں کسی سے ملاقات کے لیے گئے تھے۔ وہ ان دنوں بے حد پریشان تھے۔ کاروبار میں مسلسل خسارے کی وجہ سے ان کا موڈ بھی خراب رہنے لگا تھا۔ اسی سلسلے میں بھاگ دوڑ کر رہے تھے۔ وہیں یہ بات کرتے ہوئے ان کی نظر دیوار گھڑی پر پڑی اور انہیں آفرین کا خیال آیا۔ رات وہ ڈرائیور سے کہہ رہی تھی۔

"کل صبح لازمی ٹائم پر آ جائیں۔ میرا اہم ٹیسٹ ہے۔ کالج پہنچنا بہت ضروری ہے۔"

انہوں نے وہاں سے واپسی میں دیر نہ کی۔ ڈرائیور کو بھی ڈانٹا کہ اس نے کیوں یاد نہ دلایا۔ اور ہونی ہو کر رہتی ہے۔ اور اتفاق بھی کمال کا اتفاق تھا۔ راستے میں آفرین کے کالج پر یونہی نظر ڈالی۔ انہیں سامنے ہی آفرین نظر آ گئی۔ آفرین ان کی بیٹی ایک لڑکے کی موٹر سائیکل پر سے اتر رہی تھی۔ اور دونوں مسکرا رہے تھے۔

ایک منٹ سے بھی کم میں انہوں نے یہ منظر دیکھا اور پھر راستہ صاف ہونے پر ان کی کار آگے بڑھ گئی۔ ایک شعلہ تھا جس نے ان کے اندر آگ لگا دی۔ انہیں تو ایسا لگا جیسے ہر چیز بھڑ بھڑ آگ کے شعلوں میں نہا گئی۔ گھر پہنچتے ہی وہ بیوی پر برس پڑے۔

آفرین نہیں جانتی تھی کہ آج اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ وہ اپنے ٹیسٹ میں کامیابی کے بارے میں پرامید مطمئن سی مسکراتی ہوئی گھر میں داخل ہوئی۔ اور بابا کو دیکھ کر ٹھٹک گئی ان کا چہرہ ان کی آنکھیں سب کچھ بدلا ہوا تھا۔ وہ اسے کھینچتے ہوئے ملا کے

لے گئے۔ کمرہ دھاڑ سے بند ہوا۔ وہ ملا کے سامنے کھڑی تھی۔

"لو۔۔۔ سنبھالو اپنی شہزادی کو۔۔۔ اور پوچھو اس سے کہاں سے آئی ہے آج۔" وہ دھاڑے۔

☼ ☼ ☼

موسم نے اچانک پلٹا کھایا۔ ہواؤں کا زور اور آندھیوں کے جھونکے کا شور، صحن سوکھے پتوں سے بھر جاتا۔ دن بھر جھاڑو لگا لگا کر وہ بیزار ہو جاتی۔ واثق اچانک شہر سے آ گیا تھا۔ آفرین نے اطمینان کا سانس لیا۔ خزاں اپنا تسلط جما چکی تھی۔ دیر سے سہی واثق کو اس کا خیال تو آیا۔ وہ اسے قید تنہائی میں چھوڑ گیا تھا۔ ایک سال بعد آیا۔

ویسے تنہا تو وہ تھی بھی نہیں۔ ایک عدد ساس کی موجودگی اسے تنہا کب رہنے دیتی تھی۔ ان کی موجودگی کا وہ برا مانتی بھی نہیں تھی اور وہ جو کچھ کہتی تھیں وہ غلط بھی نہ تھا۔

جب اچانک ہی رات کو دروازے پر بیٹے کے پہلو میں کھڑی لڑکی کا تعارف یہ کہہ کر کرایا جائے کہ۔۔۔

"اماں یہ آپ کی بہو ہے۔"

اندھیرے میں بھی ان کی شکل پر ناخوشی اور حیرت کے تاثرات آفرین کو نظر آ گئے۔ اگر حمیرا آپا ساتھ نہ ہوتیں تو جانے کیا ہوتا۔ شام سے اتنے اعصاب شکن لمحے برداشت کیے تھے کہ اب کسی نئے جھٹکے کی متحمل نہ تھی۔ روانگی سے پہلے اور گاؤں میں اس دروازے تک پہنچنے سے پہلے وہ خود کو ہر قسم کے رویے کے لیے تیار کر چکی تھی۔ انتہا کو پہنچی ہوئی مایوسی نے اس طرح احساسات شل کر دیے تھے کہ ذرا سی ناگوار جنبش اس کے حواس کو بکھیرنے کے لیے کافی ہوتی۔ مگر۔۔۔ ایک حیرت انگیز نظارہ دیکھنے کو ملا۔ انہوں نے دروازے سے ہٹ کر اسے اندر آنے کی اجازت دے دی۔ پھر حمیرا آپا نے الگ لے جا کر ان سے سرگوشیوں میں بات کی۔ اور انہوں نے قریب آ کر اپنے بیٹے کی بہو کو گلے لگایا۔

وہ ایک جاہل عورت کے بد صورت رویے کی منتظر تھی۔ جس کی زبان بھی بے لگام ہوتی۔ مگر لمحوں ہی میں اس عورت نے اپنے ظرف کا اظہار کر کے آفرین کو حیران کر دیا۔

اسے برآمدے میں بٹھا کر وہ ساس بہو لائن سے بنے کمروں میں سے کسی کمرے میں گھس گئیں۔ برآمدے میں ٹمٹماتا بلب گھر کی تاریکی کو کم کرنے کے لیے ناکافی تھا۔ صحن میں نیم کے درخت کا گھنا سایہ اس اندھیرے کا باعث تھا۔ برآمدے کے کسی در میں لٹکتے طوطے کے پنجرے کی کھڑکھڑاہٹ کے سوا اور کوئی آواز نہ تھی۔ چند منٹ بالکل سناٹا چھایا رہا۔ پھر کہیں قریب ہی بلی کی آواز آئی۔ وہ اچھل پڑی۔ دل بھر آیا۔ اسے رونا آ گیا۔ ابھی تک آنسو کہیں چھپے ہوئے تھے۔ اب اچانک ہی جھر جھر بہنے لگے۔

واثق بے نیازی سے صحن میں نہ جانے کیا تلاش کر رہا تھا اور وہ بھی بے قصور پکڑا گیا۔ بھلا دو چار بار کی دعا سلام کی اتنی بڑی سزا۔ یہ کہاں کا انصاف تھا۔ پھر اسے بلا کر تا زندگی قید کی سزا سنا دی گئی۔

"یہ نکاح ابھی ہو گا۔ ابھی 'فوراً' اور پھر تم دونوں کہیں دفع ہو جانا۔ مجھے پھر صورت نہ دکھانا۔"

بابا کی قہر بھری آواز ابھی تک اس کی سماعت میں طوفان اٹھائے ہوئے تھی۔ ایک لمحہ بھی وہ اس آواز سے دور نہیں جا سکی۔

اور شام کے اس پہر سے رات آدھی ہونے تک۔۔۔ واثق نے اس کی طرف نظر نہ ڈالی تھی۔ نہ ہی بات کرنے کی کوشش کی۔ خود آفرین تو بابا کے سامنے پتھر کی طرح ساکت بیٹھی تھی۔ اور اس حکم نے واثق کو بھی چٹان بنا دیا تھا۔ اس نے مدد طلب نظروں سے حمیرا کو دیکھا۔ اور حمیرا نے تو بابا کا ڈٹ کر مقابلہ کیا تھا۔ بوا بھی صفائیاں دے رہی تھیں۔ مگر بابا کچھ سننے پر تیار نہ تھے۔ ان کو کاروبار میں خسارے کا صدمہ تھا۔ تو آفرین کے عمل پر انتہائی طیش، ان کی عقل خبط ہو گئی تھی۔ (یہ بوا کی رائے تھی)

"آپ ذرا ٹھنڈے دل سے غور کریں صاحب!

اس چھوٹی سی غلط فہمی کی سزا دے کر کہیں آپ بعد میں پچھتانے پر مجبور نہ ہو جائیں۔ یہ فوری فیصلہ آپ اور آپ کے خاندان کی رسوائی کا سبب نہ بن جائے۔"

حمیرا برابر احتجاج کرتی رہیں۔ مگر بابا کچھ بھی سننے پر تیار نہ تھے۔

"اس لڑکے سے پوچھو!!"

"یہ نکاح کے لیے تیار ہے یا نہیں؟" بابا قہر آلود لہجے میں بولے۔ "میں ہر رسوائی برداشت کر سکتا ہوں۔ مگر اس قسم کی کوئی بات نہیں۔"

کمرے میں یک لخت سناٹا چھا گیا۔ ماما کی ہچکیاں، حمیرا کی آواز بوا کی سسکیں۔ آفرین پتھر کی طرح بے حس بیٹھی رہی۔

"میں تیار ہوں۔" سناٹے میں واثق کی آواز صور اسرافیل سے کم نہ تھی۔

ماما اچھل پڑیں۔ خود آفرین کے وجود میں طوفان کروٹیں لے رہا تھا۔ اس کی زبان بھی جامد تھی۔ اب کیا ہوگا۔ اب کیا ہوگا۔ اب کیا۔ اس کے دل میں ایک ہی سوال تواتر سے شور کر رہا تھا۔ مگر اس شور کو سننے والا کوئی نہ تھا۔ خود وہ ایک سوال بنی ہوئی تھی۔ ان کے چہرے اور آنکھوں میں اس کے لیے نفرت کے سوا کچھ نہ تھا۔ آفرین جانتی تھی، وہ ان کے لیے مر چکی اور وہ اس کے جنازے کو دھوم دھام سے دفنانے کا اہتمام بھی نہیں کریں گے۔ اور ہوا بھی یہی۔

سدرہ، اسریٰ، سیف، اشرف اور بچے شارٹ نوٹس پر بلائے گئے۔ کسی کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ آفرین کا ستا ہوا بے رنگ چہرہ، پتھرائی ہوئی آنکھیں، خاموش زبان اس کی بے گناہی کی گواہ تھیں۔ سدرہ نے آواز بلند کی مگر سیف نے اشارے سے منع کیا۔

"بابا اپ سیٹ ہیں۔ تمہیں پتا تو ہے، وہ کتنے پریشان ہیں۔ جو وہ کرنا چاہتے ہیں۔ کرنے دو۔ ورنہ ہمیں انہیں سنبھالنا مشکل ہو جائے۔"

"بابا!!" بے حد پریشان تھے۔ بدحواس بھی۔ مگر اپنے فیصلے کے خلاف ایک لفظ سننے پر تیار نہ تھے۔

سدرہ کو آفرین کا طرز عمل بھی بے حد عجیب لگا۔ احتجاجاً "کچھ شور تو کرے۔ ماما نے اسے بتایا تھا، جب سے کالج سے آئی ہے بابا اس پر مسلسل الزام عائد کر رہے تھے اور وہ گم صم آنکھیں پھاڑے بیٹھی رہی۔

سدرہ کو معلوم تھا آفرین بے قصور ہے۔

پہلی بار آفرین کے سلسلے میں ایک لڑکے کا نام سامنے آیا۔

وہ بھی گھر کی ملازمہ کی بیٹی کا دیور۔ بوا بے شک ایک بہترین خاتون تھیں۔ یقیناً "کسی اچھے خاندان سے تعلق بھی تھا۔ ان کی بیٹی کی سسرال بھی شریف ہوگی مگر۔ کچھ معلوم تو ہو کہ لڑکے کا بیک گراؤنڈ کیا ہے۔ فیوچر کیا ہے۔ حمیرا نے بس اتنا ہی بتایا تھا کہ وہ انجینئرنگ یونیورسٹی میں زیر تعلیم ہے۔ دیہاتی لڑکے پڑھ لیتے ہیں۔ مگر ان کی فطرت ان کے ماحول کے مطابق ہی ہوتی ہے۔

اب آفرین لاکھ سادگی پسند ہے۔ بوا کے ساتھ کام بھی کر لیتی ہے۔ اسے شاپنگ کا ذوق نہیں۔ شوق نہیں۔ لیکن گاؤں کی زندگی۔ بغیر بجلی اور سہولیات کے کیسے وقت گزارے گی۔ کیا وہ جھاڑو برتن کرے گی اور گائے بھینس کے دیگر کام کرے گی۔ مگر کیسے؟ ہائے آفرین۔

واثق دیکھنے میں تو خاصا خوبرو تھا۔ مگر۔۔۔ اس کے چہرے پر سیف اور اشرف جیسی قابلیت نظر نہیں آتی تھی۔ اقصیٰ اور یسریٰ کے شوہر تو تھے ہی آدھے امریکی۔ ارے۔۔۔ اگر کبھی ایسا ہوا کہ سب بہنیں جمع ہوں، چار دامادوں کے مقابلے میں یہ گھبرایا سٹپٹایا ہوا پینڈو داماد کیسا لگے گا۔ واثق پر جو اچانک افتاد آئی تھی۔ اس کی وجہ سے وہ کچھ گھبرایا ہوا تھا۔ مگر اعتماد اس کی فطرت میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔

"مولوی صاحب آگئے ہیں۔" بوا نے اطلاع دی۔ اور ماما پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ حمیرا نے ایک گلابی دوپٹہ آفرین کے سر پر ڈال دیا۔ وہ ابھی تک کالج یونیفارم میں تھی۔ سدرہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔ آفرین کے جسم نے جھٹکا کھایا۔

"اب تمہیں یہیں رہنا ہے۔ اسی گھر میں۔"

حمیرا نے اس سے یہ بات واثق کے جانے کے بعد کی تھی۔ واثق اسے گھر پر چھوڑ کر نہ جانے کب چلا گیا تھا۔ اس کے بارے میں کسی نے اسے بتانے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ نہ ہی وہ خود اس سے مل کر گیا۔ اس نے تو حمیرا اور ساس کی باتوں سے یہ نتیجہ اخذ کیا تھا کہ وہ چلا گیا ہے۔ جب ساس نے ساگ کاٹتے ہوئے حمیرا سے کہا۔

"اب تو واثق پہنچ گیا ہو گا۔ ہے نا....؟"

اور حمیرا نے گردن ہلا کر کہا۔

"ہاں اماں! انشاء اللہ پہنچ گیا ہو گا۔ تھوڑی دیر بعد میں آپا رضیہ کے گھر جا کر بات کروں گی۔ واثق نے وہاں پہنچ کر فون کر دیا ہو گا۔"

"میں چاہتی ہوں، تم خوش رہو۔ اپنی ساس کو بھی خوش رکھو۔ وہ اچھی خاتون ہیں۔" حمیرا نے اپنی بات جاری رکھی۔

"یہاں تمہیں شہر والی سہولت اور آسائش تو حاصل نہیں ہو گی۔ پھر بھی یہاں تکلیف بھی نہیں ہو گی۔ اماں تمہیں کوئی دکھ دینا نہیں چاہیں گی۔ وہ بیٹے کو بہت چاہتی ہیں۔ ایک ہی بیٹا رہ گیا ہے۔ ساری محبت اسی کے لیے ہے۔ وہ مجھے بھی بہت چاہتی ہیں۔ بطور ساس وہ بھی مجھ سے تلخ نہیں ہوئیں۔ واثق کا یہ آخری سال ہے۔ وہ انشاء اللہ تعلیم سے فارغ ہو کر لاہور میں ہی جاب کرے گا۔ یا جہاں بھی اسے اچھی سروس ملی۔ وہیں وہ اپنی ماں کو بھی بلا لے گا۔ اور تمہیں بھی۔ میں گھر سے ملنے آتی رہوں گی۔ تم خود کو سنبھالے رہو۔ اللہ تمہیں تمہارے صبر کا صلہ ضرور دے گا۔ واثق بھی نہ کبھی تمہارے بابا کے سامنے سرخرو ہو کر دکھائے گا۔ تمہاری بے گناہی ثابت کرے گا تم دیکھنا۔"

ماں باپ کا ذکر آتے ہی اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ حمیرا نے اسے گلے لگا لیا۔

"دیکھو، تمہارے بابا نے خود تمہیں اپنے اٹل فیصلے کے مطابق یہاں پہنچایا ہے۔ اور مجھے تو یقین ہے کہ اس میں بھی تمہاری بھلائی ہے۔ خدا کے حکم کے بغیر تو کچھ ہو نہیں سکتا۔ اور تقدیر قدرت کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ واثق ایک نیک، سچا اور کھرا انسان ہے۔ وہ تمہیں ایک انعام کی صورت میں قدرت نے دیا ہے۔ اس سے بہتر شریک حیات تمہیں نہیں مل سکتا تھا۔ شکر ادا کرو کہ واثق تمہارا نصیب بنا۔"

حمیرا جتنے دن رہیں اسے دلاسے دیتی رہیں۔

"مگر آپا! میری تعلیم میں یہاں اکیلی....."

"کوشش کروں گی کہ تمہاری کتابیں بھجوا دوں یا خود آؤں گی تو لیتی آؤں گی۔"

آفرین نے بہت ضبط کے ساتھ انہیں رخصت کیا۔ مگر اس کا دل آندھیوں کی زد میں آئے پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔

حمیرا کے جاتے ہی اسے محسوس ہوا جیسے وہ بالکل تنہا رہ گئی ہے۔ یہاں اس کے لیے کیا تھا؟ واثق نے بھی جس کے توسط سے وہ آئی تھی، بلکہ لائی گئی تھی۔ دو دن میں ایک بار بھی اپنی اس منکوحہ پر نظر ڈالنا گوارا نہ کیا، مخاطب ہونے کی کوشش نہیں کی۔ وہ اس کے گھر کس حیثیت سے رہے۔ گھر اسے رہنا ہی تھا کہ اور کوئی جگہ اس کے لیے نہیں تھی۔ ساس نے اس کی دلجوئی کی کوشش کی۔ وہ اس ان پڑھ عورت کے ظرف کی قائل ہو گئی۔ ایک زبردستی مسلط کی ہوئی بہو کو اس عورت نے بخوشی قبول کر لیا تھا۔ نہ جانے واثق نے اور حمیرا آپا نے انہیں اس کے بارے میں کیا بتایا تھا۔

اس دن کالج کے گیٹ پر واثق کو ہنستے مسکراتے دیکھنے کے سوا پھر اسے مسکراتا دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ وہی دن تو سب کچھ اپنے ساتھ بہا لے گیا۔ اس کے ارمان، آرزوئیں، خواہشیں، سب کچھ واثق کے ساتھ غیر متعلق گفتگو کی نذر ہو گئیں۔ اگر اس کے ارمان اور تمنائیں خاک میں ملی تھیں تو..... واثق کے ساتھ بھی تو ایسا ہوا تھا۔ اس کے بھی کچھ ارادے، خواہشیں ہوں گی۔ جو زبردستی کے اس بندھن کی وجہ سے راکھ ہو گئی ہوں گی۔

جب حمیرا آپا اس کے منجمد وجود کو تھامے باہر آ رہی تھیں۔ واثق پیچھے تھا اور سدرہ نے کھڑے ہو کر اس

کے پاس آنے کی کوشش بھی کی۔ مگر بابا کی ایک بھبکی "ہوں" نے سدرہ کو بٹھا دیا۔

"یہاں وہ چپ چاپ اکیلی بے وقوفوں کی طرح دیواریں اور چھت تکا کرتی۔ یا صحن میں بیٹھی درخت کے پتے گرتے دیکھتی۔ ساس کو بھی اتنی فرصت نہ تھی کہ وہ بیٹھ کر اس سے باتیں کریں۔ صبح نہ جانے کب وہ اٹھ کر کام سے لگ جاتیں۔ بکری کو چارہ پانی دے کر دودھ نکالتیں۔ پھر صحن کی صفائی کرتیں۔ کونے میں بڑے سے ڈربے میں مرغیاں کڑکڑاتیں۔ تو انہیں دانہ پانی ڈالتیں۔

مرغیوں سے فارغ ہو کر وہ اندر جا کر نہا دھو کر کپڑے بدلتیں۔ اس کے بعد چولہے کے پاس جا بیٹھتیں، ناشتہ بنا کر ساتھ ہی کھانے کا انتظام بھی کرتیں۔ اور مسلسل کسی بلی، کتے یا کسی پڑوسی کے بچے کو برا بھلا بھی کہتی رہتیں۔

طوطے کو علی الصبح چوری مل جاتی۔ سبزی کے چھلکے یا پالک کے پتے بھی وہ بڑی مہارت سے کتر کتر کر کھاتا اور انہیں گھما گھما کر آفرین کو تکتا۔ مگر ایک دن نہ جانے کس طرح پنجرے کا دروازہ کھلا رہ گیا۔ طوطا باہر نکلا اور بلی کا لقمہ بن گیا۔ اب مرغیاں اس کی توجہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئیں۔

ناشتے کے بعد وہ اپنا کمرہ صاف کرتی۔ سیمنٹ کا فرش منٹوں میں چمک جاتا۔

کبھی اماں بازار سے کوئی سودا کاغذ کے تھیلے میں لاتیں۔ وہ پرشوق انداز میں لفافہ پکڑتی اور خالی کر کے اس کی ادھوری عبارت کو بھی اس ذوق و شوق سے پڑھتی جیسے اس کے نام کوئی خوشیوں اور امیدوں بھرا خط کسی اپنے نے بھیجا ہو۔ اور اسے وہ پوری عبارت حفظ ہو جاتی۔

☆ ☆ ☆

حمیرا کا ایک خط آیا۔ پہلے اپنی پھپھو کی بیماری، پھر بچوں کے امتحان، گھر کی شفٹنگ، غرض سارا خط ایسے ہی مسائل سے بھرا ہوا تھا۔ "حمیرا آپا تو بابا کا گھر چھوڑ کر چلی گئیں۔ بوا بھی "پھپھا" ساتھ گئی ہوں گی۔ نہ جانے خود گئی ہیں یا بابا نے انہیں جانے کا کہا۔ انہوں نے نہیں لکھا۔ اس کے بعد نہ کوئی خط، نہ کسی کی خبر۔ یادیں تھیں تو ڈسنے والی 'ماما' بہنیں 'بابا' ہر چند ان کی یادیں ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کرتی۔ مگر وہ تو اترے ذہن کے دریچے پر دستک دیتیں۔

خزاں کے خشک اور بیزار کرنے والے اداس دن بے چینی اور مایوسی میں اضافہ کر رہے تھے۔ کچھ سمجھ میں نہ آتا تو دن میں بار بار صحن میں جھاڑو لگاتی۔ سوکھے پتے سمیٹ کر کونے میں ڈال آتی۔ پھر پھر پتے تو واپس آ کر اپنے بچوں سے گلے ملتے۔ وہ انہیں دیکھتی رہتی۔ پورا صحن بھر جاتا۔ تو وہ پھر جھاڑو اٹھا لیتی۔ یا پھر شاخوں پر نظر جمائے بیٹھی رہتی۔ کبھی یونہی صحن کے چکر لگاتی۔

اصلی کمی کے ہر لمحوں نے اسے مزید سست بنا دیا تھا۔ کبھی رونے کو دل چاہتا تو طوطے کی ناگہانی موت کا ذکر لے بیٹھتی۔ اور خوب آنسو بہاتی۔ ساس حیرانی سے دیکھا کرتیں۔ کوئی گاؤں والی آ جاتی۔ وہ آفرین سے بات کرتی۔ اپنے گھر کے قصے، بچوں کے معاملات، بہو سے چپقلش، آفرین اسے غور سے دیکھتی۔ عورت کے چہرے پر طمانیت ہوتی۔ کبھی فکر، آفرین ہر عورت کا اسی خاموشی سے جائزہ لیا کرتی۔ اور سوچتی۔

"کیسی باغ و بہار عورت ہے۔" یا پھر۔

"اس عورت کے کان کی لویں بھاری جھمکوں کے بوجھ سے لٹک گئی ہیں۔ ناک کی سوئی کیل میل سے بھری ہے۔ اس کے ہاتھ بھی سخت ہیں۔ جب یہ ہنستی ہے تو پورا جسم ہلتا ہے۔"

عورتیں آفرین کی ٹٹولتی، کھوجتی آنکھوں سے بیزار ہو کر چلی جاتیں۔ پھر ساس کی بڑبڑاہٹ شروع ہو جاتی۔ اب وہ واضح الفاظ میں کہنے لگیں کہ آفرین کے آنے کے بعد گاؤں والیوں نے ان کے گھر کے پھیرے کم کر دیے۔

"کتراتی ہیں آنے سے۔ پہلے تو تانتا بندھا رہتا تھا۔"

ایک گئی دوسری آئی۔ رات میں بھی کوئی آکر سو جاتی۔ مگر اب تو سب رفتہ رفتہ دور ہو گئی ہیں۔"

ایک عورت نے تو اپنا وہم ظاہر بھی کر دیا کہ۔

"بہو پر کوئی سایہ ہے' اس کی آنکھیں بجھی بجھی ہیں' جوانی کی چمک نہیں ہے۔"

اور یہ سن کر آفرین پر ہنسی کا دورہ پڑ گیا تھا۔ وہ ساس کی خفگی کی پروا کیے بغیر ہنستی رہی۔ پھر رونے لگی اور دیر تک روتی ہی رہی۔ ساس بھی اب اس کی اوٹ پٹانگ حرکتوں سے بیزار ہو گئی تھیں۔ چڑ کر بولیں۔

"کیا ہے؟ کبھی ہنستی ہے' کبھی روتی ہے۔"

"تو اور کیا کروں؟" وہ سادگی سے بولی۔

"تجھے کرنے کو کوئی کام نظر نہیں آتا؟" وہ اسی تنگ مزاجی سے بولیں۔ "کبھی بکری کو چارہ ہی ڈال دے' کبھی دودھ ہی نکال لے۔ کبھی دیوار پر لپائی کر لے۔"

آفرین چپ ہو گئی۔ پہلی بار انہوں نے اعتراض کیا تھا۔ پہلی بار کوئی کام بتایا تھا۔ پھر اس نے ان کاموں میں بھی ہاتھ ڈال دیا۔ سوائے دودھ دوہنے کے' ساس کی ہدایت کے مطابق اس نے ہر کام سیکھ لیا۔ مگر عادت نہ ہونے کے سبب ہر کام خراب ہو جاتا۔ تو ساس کا عتاب طعنوں کی شکل میں برستا۔ اس کی چپل ٹوٹ گئی۔ سوئی سے سینے کی کوشش کی تو سوئی ٹوٹ گئی تھی۔ چپل اس نے پھینک دی۔ ننگے پیر پھرنے سے ایڑیاں پھٹ گئیں۔ رات کو سرسوں کا تیل ساس کی ہدایت پر ایڑیوں پر لگا لیتی۔

وہ جوڑے ساس نے بنائے تھے' ایک حیرانے بنا دیا۔ مگر کثرت استعمال سے سب گھس گئے تھے۔ وہ کسی طرح سلائی کر کے انہیں درست کر لیتی۔ وہ ساس سے کچھ کہتی نہ تھی۔ گلہ نہ شکوہ۔ وہ دو طرفہ سزا جھیل رہی تھی۔ ایک سزا ماں باپ کی بخشی ہوئی۔ دوسری خود ساختہ جو وہ جبراً سہہ رہی تھی۔ خاموش رہ کر' کچھ نہ کہہ کر۔ اس کے پاس فیصلے کا اختیار نہ تھا۔ مستقبل کے بارے میں کچھ بھی سوچنے سے قاصر۔ وہ قید تنہائی کی عادی ہوتی جا رہی تھی۔ کبھی تو اسے لگتا' وہ یونہی چپ چاپ مر جائے گی اور کسی کو خبر نہ ہو گی۔

اس دن بھی وہ اپنی سوچوں میں اتنی محو تھی کہ دروازہ کھلنے کی آواز بھی نہ سن سکی۔ نہ ہی اسے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ واثق اسے گاؤں کی کوئی عورت سمجھ کر قریب سے گزرا۔ اتفاقاً ہی اس کی نظر اس کے ہاتھوں پر پڑی۔ لمبی مخروطی انگلیاں' وہ ٹھٹک گیا۔

پھٹے ہوئے جگہ جگہ سے سلے دوپٹے اور پیوند لگی آستین۔

جھک کر چہرہ دیکھنا چاہا۔ اور شرمندہ ہو گیا۔ بے رنگ' اداس' مرجھایا ہوا چہرہ آفرین کا ہی تھا۔ مگر یہ چہرہ اس آفرین سے مطابقت نہ رکھتا تھا جسے وہ لے کر آیا تھا۔

اور وہ اس صبح کو بھولا نہ تھا۔ جب وہ اسے موٹر سائیکل پر بٹھا کر تقریباً "اڑتا ہوا" کالج پہنچا تھا۔ اور وہیں اس نے آفرین کے کھلتے گلاب سے چہرے پر نظر ڈالی تھی' تو اس کا دل اس کے حسن کا قائل ہو گیا۔ گلابی ہونٹوں کے اندر جگمگاتے موتی جیسے دانت اتنے حسین تھے کہ وہ ڈگمگا گیا۔ کسی لڑکی سے متاثر ہونا اس نے سیکھا نہ تھا مگر اس لمحے وہ آفرین کے کھنکھناتے لہجے اور گلابی ہونٹوں کی مسکراہٹ کا شکار ہو گیا۔ اور تب سے وہ چہرہ وہ تبسم اس کے تصور کی دنیا پر چاند کی طرح چمکتا رہا تھا۔ آج تک..... تو پھر..... یہ کون سا چہرہ ہے۔ پھیکا پھیکا' میلا سا۔

پھٹے پرانے کپڑوں میں بے تکلفی سے زمین پر اکڑوں بیٹھی وہ گاؤں کے ماحول کا ہی حصہ لگ رہی تھی۔

وہ چپ چاپ کھڑا آفرین کو مرغیوں کو دانہ ڈالتے دیکھتا رہا۔ تب ہی آفرین کی نظر مردانہ جوتوں پر پڑی تھی۔

"ہیلو!" واثق نے کہا۔

جواب میں اس نے ہاتھ دوپٹے سے رگڑے اور کھڑی ہو گئی۔

"السلام علیکم' کب آئے؟"

"وعلیکم السلام' بس ابھی جب آپ مرغیوں کی ان داتا بنی بیٹھی تھیں۔" وہ خوش دلی سے بولا۔

چند لمحے دونوں خاموش کھڑے رہے۔ نہ آفرین نے کسی گلے شکوے کا اظہار کیا نہ واثق نے جوش و خروش کا۔ جیسے ان کے درمیان کچھ تھا ہی نہیں۔ کوئی واسطہ' یا رشتہ۔

واثق غور سے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کے بدرنگ پھٹے پرانے کپڑے' جوتیوں سے محروم پیر' چوڑیوں سے خالی کلائیاں۔ وہ جو اپنی کوٹھی کے لان میں بچوں کے ساتھ شور مچاتی دوڑتی پھرتی تھی۔ جس کی کھنکتی آواز سے وہاں کا پورا ماحول مسکراتا نظر آتا تھا۔ پھولوں کے درمیان ایک پھول کی طرح مہکتی ہوئی یہ وہ لڑکی تو نہیں ہے۔

اماں کی آواز پر وہ سست قدم اٹھاتا کمرے میں چلا گیا۔ آفرین بھی کپڑے جھاڑتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی۔ وہ سوچنے لگی کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے۔ شوہر کی خدمت خاطر کے لیے چائے ناشتہ تیار کرنا چاہیے یا۔ اس سے لڑنا چاہیے جو اسے ایک سال کی قید دے کر چلا گیا تھا۔ وہ یونہی ادھر ادھر نظریں دوڑاتی رہی۔

پورا دن ماں بیٹے میں نہ جانے کیا بحث ہوتی رہی۔ وہ تو کچن میں گھسی کھانا بنانے کی کوشش کرتی رہی۔ اسے ان لوگوں کی گفتگو سے دلچسپی نہ تھی۔ نہ ہی پریشانی' بس اسے اس خاموش گھر میں واثق کی آواز اچھی لگ رہی تھی۔ ایک مردانہ آواز۔ کتنے دن کے بعد تو اس نے یہ آواز سنی تھی۔

دونوں ماں بیٹے رات گئے تک باتوں میں گم رہے۔ وہ کمرے میں جا کر سو گئی۔ احتیاطاً اس نے دوسرے پلنگ کا بستر جھاڑ کر درست کر دیا تھا۔ پھر اسے پتہ نہیں چلا واثق کب آیا۔ کب سویا۔ بلکہ سویا بھی یا نہیں مگر وہ سویا تو اٹھ کر کب باہر نکل گیا۔

صبح کو معمول کے مطابق وہ باہر آئی۔ صحن میں بیٹھے نلکے سے منہ ہاتھ دھویا۔ آفرین نے جھاڑو پکڑی اور صحن کی صفائی شروع کر دی۔ رات بھر میں ڈھیروں پتے گر چکے تھے۔ اس پر بکری کے کھائے اور چبائے چارے کی ڈنڈیاں' لگتا ہے رات میں کسی وقت رسی تڑوا کر وہ صحن میں چھلانگیں لگاتی رہی تھی۔

اماں کی بڑبڑاہٹ عروج پر تھی۔

"منحوس سارا دودھ پی گیا۔ ایک بوند نہ چھوڑی کمبخت نے اب میں واثق کو چائے....."

اور تو قصہ یہ تھا۔ رات کسی وقت بکری کھل گئی اور ماستا کی ماری بچے سے لاڈ کرنے پہنچی تو بچہ اس کا سارا دودھ پی گیا۔ تب ہی اماں صبح صبح اتنے غصے میں تھیں' اس نے سوچا مگر کام میں مصروف رہی۔ واثق نے حیرت سے دیکھا۔ اور بھنا گیا۔

"یہ کیا کر رہی ہیں آپ؟" اس نے ڈپٹ کر کہا۔ وہ اچانک آواز سن کر ڈر گئی۔

"یہ..... میں..... صفائی....." منمنا کر رہ گئی۔

"چھوڑیں یہ سب..... تیار ہو جائیں۔ ہم ابھی لاہور جا رہے ہیں۔ کپڑے وغیرہ لے لیں۔"

وہ حیرانی سے اسے دیکھنے لگی۔ کیا کہا تھا اس نے۔

"کس سوچ میں پڑ گئیں۔ میں کہہ رہا ہوں سامان پیک کریں اور چلیں۔"

"لیکن..... کیوں؟" وہ سمجھ نہیں سکی۔

"کیونکہ مجھے جاب مل گئی ہے۔ اور میں اسی ارادے سے آیا تھا کہ اماں کو اور آپ کو لے جاؤں گا۔ اماں تو ابھی جانے پر راضی نہیں' بعد میں آ جائیں گی۔"

"تو میں بھی..... بعد میں اماں کے ساتھ....."

"نہیں..... ابھی..... انہیں فوراً"..... وہ ضدی لہجے میں بولا۔

آفرین کھڑی ہو گئی۔ جھاڑو وہیں پھینکی اور کمرے میں گھس گئی۔ مگر اب کیا کرے۔ کون سے کپڑے' کون سا سامان' اس کے پاس تو اس کا اپنا کنگھا تک نہ تھا۔

کپڑے جو بھی تھے' اتنے پرانے تھے کہ انہیں پہنا تو جا سکتا تھا مگر پیک کر کے لے جانے کے قابل نہ تھے۔ وہ یونہی چپ چاپ کھڑی تھی کہ واثق نے اندر آ کر

اسے دیکھ کر قدرے برہم لہجے میں کہا۔
"ابھی تک ایسے ہی کھڑی ہیں آپ؟ دیر ہو گئی تو بس نہیں ملے گی۔ میں لیٹ ہو جاؤں گا۔ چلیں، سامان اٹھائیں۔"
اس نے بے چارگی سے ہاتھ مسلے۔ پھر اس کی نظروں سے گھبرا کر کونے میں رکھی وہ بڑی پیٹی کھولی۔ ایک سوٹ جو بہتر حالت میں تھا اسے باہر نکالا۔ اس نے سوٹ کو جانچا کہ اگر کہیں سے پھٹا ہو تو درست کر لے۔
واثق نے دیکھا۔ "یہ کیا ہے؟"
"یہ میرے کپڑے۔"
"وہ تو دیکھ رہا ہوں۔" وہ چڑ گیا تھا۔ "اور سامان کدھر ہے؟"
"میں خالی ہاتھ آئی تھی۔" اس نے بے چارگی سے جتایا۔
وہ اپنی جگہ جم گیا۔ پھر مڑ کر باہر نکل گیا۔ ایک سیکنڈ بعد ہی اس کی تیز آواز آنے لگی۔ ساس سے نہ جانے کیا پوچھ گچھ کر رہا تھا۔ اس نے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے اور پلنگ پر ٹک گئی۔ کتنی ہی دیر تک بیٹھی رہی۔ اسے عجیب قسم کی شرمساری اور پچھتاوے نے گھیر لیا۔
"میں کہاں سے لائی نئے کپڑے۔ بیوی تیری ہے کہ میری۔ تو نے تو جا کر خبر نہ لی۔ اور وہ حمیرا اس نے بھی چپ سادھ لی تو میں اس کے کپڑے لتے کی ذمہ دار کیوں بنتی؟"
یہ ساس کی آواز تھی۔ پھر واثق کے دھم دھم کرتے قدموں کی آواز گھر سے باہر چلی گئی۔ پتہ نہیں اس نے ناشتہ بھی کیا تھا کہ بھوکا ہی چلا گیا۔ کیا وہ لاہور چلا گیا ہے؟ کس سے پوچھے۔
"امیر باپ کی بیٹی ہے۔ تو کیوں نہ لائی سوٹ کیس بھر کر کپڑے؟ فقیروں کی بیٹیاں بھی یوں تن کے کپڑوں میں رخصت نہیں ہوتیں۔ لو جی۔ آ گیا جواب طلبی کرنے۔ ارے تیرا باپ کون سی دولت چھوڑ گیا تھا۔ اور تو نے ہی کون سا کما کر گھر بھر دیا۔ جو مجھ سے ____"
اماں مسلسل بڑبڑاتی رہیں اور وہ بھی چپ رہی۔ اماں کچھ غلط تو نہیں کہہ رہی تھیں۔ جہیز تو لازمی ہوتا ہے۔ سدرہ آپا اگر پانچ لاکھ کی گاڑی لے گئیں تو اسریٰ آپی کو اسی مالیت کا سامان مل گیا۔ اقصیٰ اور یسریٰ کو بھی نقد کے علاوہ امریکہ کے ٹکٹ دیے تھے۔ اور وہ؟ اسے کیا ملا؟ رسوائی، الزام، نفرت، حقارت۔ کیا جہیز تھا اس کا؟
"چل، آ کر کچھ کھا لے۔ نہیں تو وہ پھر مجھے سنائے گا کہ میں نے اس کی بیوی کو کھلایا پلایا بھی نہیں۔"
ساس کے دل کی بھڑاس نکل چکی تھی۔ اب وہ اس کے سر پر سوار تھیں۔ آفرین کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تو نرم پڑ گئیں۔
"ہائے میں نے تجھے کب کچھ کہا۔ میں تو اپنے بیٹے کو ہی کہہ رہی تھی۔ تیرا بھلا کیا قصور؟ آ جا۔ کچھ کھا لے۔"
لہجہ محبت سے لبریز تھا اور بھوک بھی تھی۔ وہ چپ چاپ ساس کے ساتھ چلی گئی۔ ابھی ناشتہ ختم ہوا تھا کہ وہ پھر آ دھمکا۔
"شکر ہے۔ ریڈی میڈ کپڑے مل ہی گئے۔ تین سوٹ ہیں۔ ایک پہنو۔ خدا کرے ناپ ٹھیک ہو۔ نہ ہو تو نہ سہی۔ پھٹیچر تو نہیں لگو گی۔ جیسے کہ اب لگ رہی ہو۔ ایک اچھوت۔"
وہ چڑ کر کمرے میں گھس گئی۔ شکر ہے، بالکل صحیح ناپ تھا۔ کتنے تیز ہوتے ہیں یہ لڑکے بھی۔ کبھی عورتوں کی شاپنگ نہیں کی ہو گی لیکن ____"
"چلو، پہنو اور اماں کو خدا حافظ کہو۔" دوسرا آرڈر ملا۔
"وہ تو نہیں ہے۔" اس نے سادگی سے بتایا۔ واثق نے سر تھام لیا۔ "کنگھا بھی نہیں ہے کیا؟ یہ بال ہی سلجھا لو، بالکل خانہ بدوش لگ رہی ہو۔" "کنگھا تو نہیں ہے۔" اب واثق کی تلملاہٹ دیکھنے کے لائق تھی۔ "کون کہے گا تم شہری پڑھی لکھی لڑکی ہو۔ ایک

کنگھا اماں سے کہہ کر نہیں منگا سکتی تھیں، حد ہو گئی۔"
"میں آپ کی ذمہ داری ہوں، اماں کی نہیں۔" اس نے واثق کو لاجواب کر دیا۔
تھوڑی دیر بعد کنگھا اور بھدی سی چپل آ گئی۔
جتنی دیر میں واثق نے ناشتا کیا، وہ بال سلجھا کر جوڑا بنا چکی تھی۔ لاہور جانے والی بس میں وہ اس ذوق و شوق سے سوار ہوئی۔ جیسے پہلی بار بس میں بیٹھی ہو۔ اس رات کی بھرپور مسرت اس کی زندگی کی نرالی خوشی تھی۔ اس جگمگاتی گنگناتی خوشی نے اسے کچھ سوچنے نہ دیا۔

✵ ✵ ✵

واثق جس دوست کے گھر آیا تھا۔ وہ کون ہے کیسا ہے؟ واثق وہاں کب سے رہ رہا ہے۔ کب تک رہے گا۔ یہ جاننے کی اسے فرصت نہ تھی۔
وہ لاہور میں تھی۔ جہاں اس کے اپنے تھے۔ کبھی نہ کبھی کہیں نہ کہیں۔ وہ مل جائیں گے۔ ابو اور حمیرا آپا سے خبریں ملیں گی۔ وہ ڈرائنگ روم میں ہی قالین پر کشن رکھ کر سو گئی۔
دوپہر کا کھانا انہوں نے راستے میں کھایا تھا جب بس کچھ دیر کے لیے رکی تھی۔
صبح آنکھ کھلی 'ٹھاہ' کی برتن کے گرنے کی آواز سے۔ وہ کمرے میں اکیلی تھی۔ واثق کے یہاں سونے کے آثار نہ ملے۔ ڈرائنگ روم چھوٹا سا تھا۔ جس میں ڈیکوریشن کے متعدد اشیاء تھیں۔ یہ کمرہ اس کے اپنے بیڈ روم سے بھی چھوٹا تھا۔ مگر یہ کسی اور کا گھر تھا۔ باہر سے آتی مردانہ آوازوں نے بتایا۔ وہ لوگ ناشتہ کر رہے ہیں۔ اور خوش گپیوں میں مصروف ہیں۔
چند منٹ بعد واثق نے اندر جھانکا۔
"اٹھ گئیں۔ تو ____ یہ گرم چائے ہے، گیلری میں باتھ روم ہے۔ تھوڑی دیر بعد تمہیں بہترین ناشتہ ملے گا۔ میں اور ناصر تمہارے لیے ناشتہ بنا رہے ہیں۔"
کپ اس نے اس کے ہاتھ میں دیا۔ وہ خوش اور مطمئن نظر آ رہا تھا۔ پہلی بار اس نے اسے "تم" کہہ کر بلایا تھا۔ چائے بہت اچھی تھی۔ کتنے عرصے بعد وہ ایسی چائے سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔
"میں اور ناصر ایک گھر دیکھنے جا رہے ہیں۔ گھر میں ناصر کی امی ہیں مگر وہ سو رہی ہیں۔ کچھ دیر بعد تم ان سے مل سکو گی۔ ابھی تم یہیں رہو۔ یا اگر چاہو تو تمہیں بھابھی کے پاس چھوڑ دوں؟"
"جی میں حمیرا آپا کے پاس جاؤں گی۔ ناصر بھائی کی امی سے بعد میں مل لوں گی۔" وہ باتھ روم کی طرف چلی۔
حمیرا آپا کا چھوٹا سا گھر تھا۔ یہ ایک کوٹھی کا مختصر پورشن تھا۔ کوٹھی والوں نے ازراہِ ہمدردی انہیں یہ حصہ دے دیا تھا۔ حمیرا آپا ان کے بچوں کو قرآن شریف پڑھاتی تھیں۔ ان کے کپڑے بھی سیتی تھیں۔ اور بھی چھوٹے موٹے کام وہ احسان کے بدلے میں کر دیتی تھیں۔
"میری دیورانی پہلی بار میرے گھر آئی ہے۔" انہوں نے بڑے جوش سے آگے بڑھ کر اسے گلے لگایا۔
کمرے میں کئی بچے کتابیں کھولے بیٹھے تھے۔ حمیرا انہیں پڑھا رہی تھیں۔
"مگر دیور کی تو دیورانی ہوتی ہے۔ رانی تو نہیں ہوتی۔" ایک بچے نے حیران ہو کر کہا۔
"دیور بھی رانی رکھ سکتا ہے، ویسے یہ دیورانی ہی ہے۔"
بچوں کو چھٹی دے کر دونوں باتیں کرنے لگیں۔ حمیرا نے اس کے لیے کئی جوڑے سی کر رکھے تھے۔ آفرین نے بڑی خوشی سے انہیں کھول کر دیکھا۔ ہاں، وہ ان کپڑوں کی کتنی ترسی ہوئی تھی۔ وہ سوچ کر آبدیدہ ہو گئی۔ واثق نے آ کر بتایا کہ گھر دیکھ کر پسند کر لیا ہے۔ تھکا ہوا لگ رہا تھا۔ حمیرا کھانا لے کر آئیں۔ پھر کھانے کے بعد واثق نے اس سے کہا۔
"چلو ____ تم بھی گھر دیکھ لو۔ بھابھی آپ بھی چلیں۔"

اسے تو گھر دیکھنے کا شوق نہ تھا۔ کہنے والی تھی کہ میں کیا کروں گی دیکھ کر۔ مگر حمیرا کو مستعد دیکھا تو چپ رہی۔ گھر واقعی خوبصورت تھا۔ بہت سلیقے سے بنا ہوا۔

"اس کا تو کرایہ بہت ہوگا۔" اس کے منہ سے نکلا۔

"تمہیں تو نہیں دینا کرایہ۔" وہ چڑ کر بولا۔ آفرین شرمندہ ہو گئی۔

حمیرا اسے پکڑ کر دوسری طرف آ گئیں۔ واثق بچوں کو اوپر چھت پر لے گیا۔

"تمہارے صبر اور ضبط کی بہت قدر ہے مجھے۔ آفرین! بس ایک نصیحت ہے۔ مردوں کے معاملے میں بھی صبر سے کام لینا چاہیے۔ تمہیں واثق سے کرائے کی بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔"

"سوری۔۔۔ اسے بھی آگئی۔"

"تو واثق کیا عورت ہے؟" حمیرا حیران ہوئیں۔

"میرا مطلب ہے کہ۔۔۔ واثق تو لڑکا ہیں۔ اسٹوڈنٹ ہیں۔ مرد تو۔۔۔ بڑے سے مطلب مرد ہوتے ہیں۔" آفرین شرمندہ تھی۔

بھابھی کو گھر چھوڑ کر وہ اسے لے کر ناصر کے گھر آ گیا۔ حمیرا کے دو کمروں کے مختصر گھر میں اس کی گنجائش نہ تھی۔ ورنہ وہ وہیں رہ جاتی۔ بوا اپنے کسی بھتیجے کے گھر گئی ہوئی تھیں۔ کپڑوں کا شاپر دیکھ کر واثق نے سوال نہیں کیا۔ شاید اسے حمیرا نے بتا دیا ہوگا۔

ناصر کی امی اس سے مل کر بہت خوش ہوئیں۔ رات کو اس نے کھانا پکایا تو ناصر اور اس کی امی نے بہت تعریف کی۔

"لگتا ہے تمہاری ماں بہت اچھا کھانا پکاتی ہیں۔ ماؤں سے ہی سیکھتی ہیں سب لڑکیاں۔"

"لیکن میں نے ماما سے نہیں سب کچھ بوا سے ہی سیکھا ہے۔ وہ بہت ماہر ہیں۔ میں کل آپ کو بریانی بنا کر کھلاؤں گی۔" جوش میں آ کر اس نے کہا۔

"بریانی کا شوشا کیوں چھوڑا تم نے۔ پتا نہیں ساری چیزیں ہیں کہ نہیں۔" فرش پر اپنے لیٹنے کا انتظام کرتے ہوئے اس نے آفرین سے کہا۔

"سب کچھ ہے میں نے دیکھ لیا ہے۔ وہ۔۔۔ کرایہ دے دیا مکان کا۔" نئی زبان سے پوچھا۔

"ہاں سب کچھ ہو گیا۔ کل انشاء اللہ ہم اپنے گھر میں رات گزاریں گے۔ مطلب کرائے کے گھر میں۔"

"ہائے اللہ کل۔۔۔؟" وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔ "پلنگ نہ بستر، برتن نہ ہی کچھ سامان، کل۔۔۔ کل۔۔۔ کیسے آخر؟" وہ پریشان ہو گئی۔

"کیوں کیا ہوا۔۔۔؟"

"نہیں، بس ویسے ہی۔۔۔ میں سمجھ رہی تھی دو چار دن تو لگیں گے۔"

وہ ٹال گئی۔ حمیرا کی نصیحت یاد آ گئی۔ مردوں کے معاملے میں۔۔۔ ہونہہ! مرد تو دیکھو۔ آخر رہنے کے لیے چھت اور دیواریں ہی تو نہیں درکار۔۔۔ جینے کے لیے تو بہت سامان چاہیے ہوگا۔ وہ کہاں سے آئے گا۔ جو وہ بھی سدرہ آپی کی طرح رخصت ہوتی تو پھر اسے کسی چیز کی ضرورت نہ ہوتی۔"

پتا نہیں اس وقت میری زبان کو کیا ہو گیا تھا۔ میری خاموشی نے تو شک کو یقین کا درجہ دے ڈالا۔ پتا نہیں یہ سب اچھا ہوا کہ برا۔ اب یہ واثق۔۔۔ بابا نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ میں اور واثق۔۔۔ اور۔۔۔ انہیں اپنی بیٹی پر بس اتنا ہی بھروسا تھا۔ یقین نہ تھا کہ۔۔۔ میں ان کی بیٹی ان کا خون کوئی ایسا کام کیسے کر سکتی ہے جو ان کا سر جھکا دے۔

حمیرا آپا کہتی ہیں۔ سب تقدیر کے کھیل ہیں۔ اللہ کے حکم کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا تو کیا۔۔۔ میرا یہ نکاح۔۔۔ اچھا اگر ایسا ہونا ہی تھا تو۔۔۔ اللہ اس بندھن کو باعزت طریقے سے بھی تو انجام تک پہنچا سکتا تھا۔ اللہ تو۔۔۔ مگر یہ بھی ہے کہ اللہ جس طرح چاہے اس طرح عمل ہوتا ہے۔ ہم بھلا اس کی مصلحتوں کو کہاں سمجھ سکتے ہیں۔ سوچتے سوچتے نہ جانے کب وہ نیند کی وادی میں پہنچ گئی۔

ناصر کی امی نے اس سے بہت سی باتیں کیں۔ اپنے امریکہ میں رہنے والے بیٹوں کی، بیٹی کی۔ دو بیٹوں

اور ایک بیٹی کے ہوتے ہوئے بھی وہ صرف ناصر کی ذمہ داری بن کر رہ گئی تھیں۔ امریکہ میں دونوں بیٹے بہت خوشحال تھے۔ بیوی بچوں میں مگن اور ماں سے بے خبر۔ ناصر دوران تعلیم چھوٹی موٹی نوکریاں کر کے گھر چلا رہا تھا۔ بیٹی ہر سال یا دو سال بعد امریکہ لے کر بھائیوں کی دولت اور خوشحالی کی داستانیں سناتی۔ چند تحائف بہن کے ہاتھ بھجوانے کے سوا انہیں بوڑھی بیمار ماں اور چھوٹے زیر تعلیم بھائی کی کوئی پروا نہ تھی۔ آفرین ان کی دکھ بھری باتیں سن کر خود بھی اداس ہو گئی۔

بریانی تو تیار تھی۔ برتن بھی میز پر لگا دیے۔ رائتہ سلاد بنا کر رکھ دیا۔ آخر ناصر اور واثق آ گئے۔ سب نے کھانے کے دوران خوب تعریفیں کیں۔

"میرا خیال ہے، اب ہمیں اجازت لے لینی چاہیے۔" واثق نے ناصر کی امی اور آفرین کو دیکھ کر کہا اور آفرین کا دل دھڑک اٹھا۔ یا الٰہی! خالی فرش پر بیٹھنے اور لیٹنے کا تصور ہی خاصا ہولناک تھا۔

"میرا خیال ہے، میں ایک دو سالن بنا کر رکھ دوں۔ سبزی وغیرہ رکھی ہوئی ہے۔ آنٹی کی طبیعت ٹھیک نہیں۔" آفرین کو بہانہ سوجھا۔

"ہاں بلکہ میرا خیال ہے، تم اپنے لیے بھی لے جانا۔ جاتے ہی کہاں بناؤ گی۔ گھر کی سیٹنگ بھی کرنی ہے کوئی مددگار بھی نہیں۔ اکیلی کیا کیا کرو گی۔"

واثق ناصر کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ ناصر ہنسا۔

آفرین کو کچن میں گھسنے کا موقع مل ہی گیا۔

(سیٹنگ کیا میں بھی چھری کروں گی اور مددگار ہے تو واثق۔)

گھر میں داخلے کے وقت واثق خاصا پرجوش تھا۔ ٹیکسی سے اپنا سامان اتار کر برآمدے کی سیڑھی پر رکھا، لاک کھولا پھر سامان لے کر اندر چلا گیا۔ وہ وہیں سیڑھی پر ہی بیٹھ گئی۔

"کیا تقدیر ہے میری، بابا نے بھی کیسا ہاتھ پکڑ کر دھکا دیا۔ یہ تک نہ دیکھا کہ گرنے سے چوٹ کہاں لگی ہے۔ اور جس بے چارے کے سر ناگہانی مجھے تھوپا گیا،

وہ بے چارا بھی۔۔۔ نہ جانے کس مٹی کا بنا ہوا ہے کہ آج تک نہ کوئی شکوہ، نہ فرمائش، محبت نہ نفرت۔ بیزاری یا ملال بھی نہیں۔ کوئی اظہار ہی نہیں۔ آخر اس کے دل میں بھی کوئی آرزو ہوگی، زندگی گزارنے کے کوئی ارمان ہوں گے، جو میری آمد کے سبب ملیامیٹ ہو گئے۔"

"آئیں، تم کیا بے ہوش ہو گئی ہو یا سیڑھیوں پر مقناطیس لگا ہے جس نے تمہیں اپنے ساتھ چپکا لیا ہے۔ اندر کیوں نہیں آ رہیں؟"

واثق عین اس کے سر پر کھڑا تھا۔ اظہار کے لیے زبان ہے، الفاظ بھی ہیں پھر کچھ کہتا کیوں نہیں۔ میرے بارے میں کیوں اس کے الفاظ غائب ہو جاتے ہیں؟ آرزو سی دل میں اٹھنے لگی۔

"ہاں، وہ۔۔۔ میں سوچ رہی تھی۔ یہ لان کتنا سوکھا ہوا ہے، کیا اس میں کوئی پانی بھی نہیں دیتا، چھوٹا سا تو ہے۔"

آخر سیڑھیوں پر تو عمر نہیں گزر سکتی۔ جانا تو ہوگا اندر گھر میں۔ خالی کمرے، خالی دیواریں، بیٹھنے کو چیز بھی تک نہیں۔ اف۔۔۔ لمبا سانس لے کر واثق کے پیچھے اندر داخل ہو گئی۔

سامنے لاؤنج تھا، حیرت کا پہلا جھٹکا۔ کل والا خالی کمرہ۔۔۔ آج بید کے صوفہ سیٹ سے آراستہ تھا۔ درمیان میں خوبصورت سی میز تھی جس پر ایک شیشے کا ایش ٹرے اور گلدان تھا۔ وہ واقعی جم گئی۔

واثق اس کی حیرت بھانپ گیا۔ اس نے بے تکلفی سے آفرین کا ہاتھ تھاما اور اسے لے کر ڈرائنگ روم میں آ گیا۔

ایک جھٹکا اور۔۔۔ کھانے کی چوکور میز کے گرد چار کرسیاں، سائیڈ میں بڑی کھڑکی کے سامنے خوش رنگ پھولوں والا صوفہ سیٹ، درمیان میں صوفے کے رنگ کا کارپٹ، کھڑکی کے سامنے بھی میز پر کرسٹل کا گلدان اور اس میں تازہ پھولوں کا ڈھیر۔ اسے مزید حیرت سے دوچار کرنے والے کچن تک کھینچ لایا۔ سامنے ہی برتنوں کی الماری میں چینی کا ڈنر سیٹ، ٹی سیٹ، گلاس

اور جگ۔ نیچے کی الماری میں نئی دیگچیاں جگمگا رہی تھیں۔ چار چولہے والا اوون بھی کل نہ تھا۔
"یہ... یہ سب... کہاں سے آیا۔ کل... کل تو یہاں کچھ نہیں تھا۔"
حیرانی سی حیرانی تھی۔
واثق کھل کر مسکرایا۔ "یہ سب... میری محترم شاذ، تمہارے نصیب کی برکتوں سے ممکن ہوا۔ میرے باس نے ایک پروجیکٹ مکمل کرنے پر مجھے فرنشڈ کر دینے کا وعدہ کیا تھا۔ میں نے دن رات ایک کر کے وہ مکمل کیا۔ عین ان کی مرضی کے مطابق تو یوں یہ ممکن ہوا اور آج ہم آفس نہیں گئے تھے میں اور ناصر صبح سے یہیں تھے۔ برتن میں نے ناصر کی رائے کے مطابق لے لیے اور ہاں۔ ناصر کو گھر داری کا خاصا تجربہ ہے۔ وہ اسٹور سے بہت کچھ لے آیا۔ یہ دیکھو اوپر کے کیبنٹ میں۔ دالیں، چاول، چینی، چائے کی پتی، نمک مرچ، مسالے سب موجود ہیں۔ اسٹور والے نے بھی ضرورت کی کئی چیزوں کی نشاندہی کی۔ گرم مسالا ابھی اور نہ جانے کیا کیا اور ہاں گوشت وغیرہ نہیں لیا۔ فریج کل آئے گا۔ ٹی وی کل آئے گا اور بھی جن چیزوں کی ضرورت ہو تم بتا دینا۔"
آفرین تو حیرت کے سمندر میں ڈوب اور ابھر رہی تھی۔ باقاعدہ ڈبونے کا انتظام تو بیڈ روم میں کر رکھا تھا۔ بڑا ہی خوبصورت ڈبل بیڈ۔ جس پر گلابی پرنٹڈ جھالر والی چادر بچھی تھی۔ کھڑکی پر نیٹ کے پردوں پر گلابی فرل۔ اور دیوار پر نازک وال کلاک گولڈن سوئیوں والا۔ واثق نے وارڈروب کے پٹ کھول کر اسے آواز دی۔
"آفرین! یہ دیکھو۔" پہلی بار آفرین کا نام اس کے لبوں سے ادا ہوا تھا۔ الماری کے اندر ہینگر میں کتنے ہی سوٹ لٹکے ہوئے تھے۔ آفرین نے گردن موڑ کر پیچھے ہی دیکھا تھا اور بے ہوش ہونے کے قریب ہی تھی۔ وارڈروب میں اندر ہی آئینہ اور ڈریسنگ ٹیبل فٹ تھی اور اس پر میک اپ کا سامان سجا ہوا تھا۔ نمایاں چیز وہ کئی قسم کے کنگھے تھے اور برش۔
"اندر سے کتنا ہوشیار اور سمجھ دار ہے یہ بظاہر سیدھا نظر آنے والا واثق۔ کنگھا بھی یاد رکھا۔" خوشگوار سے احساس میں گھر گئی۔
"جب تم اچانک، بلکہ ناگہانی طور پر میرے نصیب میں شریک ہیں۔ میں نے تمہیں فوراً" قبول کر لیا عطیہ خداوندی سمجھ کر۔"
واثق آہستگی سے کہہ رہا تھا۔
"ہنگ... میرا خیال تھا یقین کی حد تک کہ تم... شاید بلکہ یقیناً زیادہ عرصہ میرا ساتھ قبول نہیں کر سکو گی جو لیے کہ زندگی میں معیار کی اپنی اہمیت ہے اور تم جس ماحول کی پروردہ ہو، وہ میرے گھر میں تو کیا میری زندگی میں بھی دور دور تک نہ تھا لیکن چونکہ خود تمہارے والدین کی پیش کش تھی اور اس وقت وہ بہت غصے میں تھے۔ ان کی طرف سے تمہارے لیے کسی انتہائی قدم کی سوچ۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس وقت بھی میں کچھ سوچے بغیر نہ رہا کہ یہ کون سا اتنا بڑا جرم ہے جس کی انہوں نے فوری سزا سنا کر اس پر عملدرآمد بھی کرا ڈالا میرے علاوہ دوسرا بندہ ہوتا تو وہ اس معاملے پر غور کر شاید شک کرتا لیکن جب دوبارہ بھی انہوں نے یہی بات کی تو صرف لمحہ بھر کو میرے ذہن میں ابھرا کہ مجھے جانے بغیر، کسی تحقیق کے بغیر کوئی فیصلہ کر لیا گیا لیکن میرے دل نے تمہارے کردار کی پاکیزگی کی گواہی دی اور میں نے تمہیں ایک انعام کے طور پر وصول کر لیا۔ اس کے لیے مجھے خود پر جبر بھی کرنا پڑا۔ میں نے تمہیں گاؤں میں اپنی اماں کے حوالے کر دیا۔ یہ سوچ کر کہ تم بہت جلد اکتا جاؤ گی لیکن... دراصل یہ فیصلہ میرے لیے بھی چیلنج کی حیثیت رکھتا تھا۔ ایسی صورت حال ہم فلموں میں تو دیکھ سکتے ہیں اور لطف اندوز ہو سکتے ہیں لیکن حقیقی زندگی میں ایسا ڈرامہ پریشان کن ہو سکتا ہے۔ تم جانتی ہو اور میں بھی واقف ہوں کہ اس میں تمہاری رضا شامل تھی نہ میری مرضی۔ یہ سراسر الزام تھا۔ ایک بلیک میلنگ تھی۔ دراصل غور کیا جائے تو ہم کو قسمت نے مشیت کے اشارے پر یکجا کرنے کا اہتمام کیا تھا جو ایک حکم کا درجہ رکھتا ہے۔ جس کو نہ میں رد کر سکتا تھا نہ تم پھر اس حکم کے بعد انکار کوئی بدبخت ہی کر سکتا تھا۔ میں البتہ تمہاری طرف سے فکر مند تھا۔"
واثق پلنگ پر بیٹھ گیا۔ آفرین وہاں سے اٹھ کر پیچھے کھسک گئی۔ اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ نہ جانے اب واثق کیا کہنے والا تھا۔
"تمہیں وہاں چھوڑنا میرے لیے سزا سے کم نہ تھا مگر میں یکسوئی سے تمہارے قابل بننے کی کوشش کرتا رہا۔ میں تمہیں سزا نہیں دینا چاہتا تھا اس لیے آخر کار... میری ان تھک محنت اور جدوجہد اس حد تک تو پہنچی کہ اعلیٰ معیار نہ سہی مگر بہتر زندگی گزارنے کے اسباب پیدا کر لیے اور اس کا کریڈٹ بھی تم کو جاتا ہے۔"
وہ قدرے رکا پھر بولا تو آواز میں نرمی بھی تھی اور پیار بھری حرارت بھی۔
"تم نے میری وجہ سے ایک گاؤں میں کسی سہولت کے بغیر جس صبر کے ساتھ میری اماں کے ساتھ گزارا کیا اس کی داد نہ دینا ناانصافی ہے۔"
وہ چپ ہوا تو آفرین کھڑی ہو گئی۔ اس نے ایک لمبا سانس بھرا۔
"اور اب بھی... میں یقین نہیں کر سکتا کہ یہ گھر، یہ سامان اور میں... تم کو اپنے لائق لگتے ہیں یا نہیں۔"
وہ خاموش ہو کر کھڑکی کے جھلتے پردوں کو دیکھنے لگا۔
آفرین کچھ کہنا چاہتی تھی کہ... "تم... تم... تو میرے خوابوں کی تعبیر ہو، میں نے تمہیں جانا نہیں، پہچانا نہیں... تم وہی ہو جس کی تمنا کی تھی میں نے۔ میں ایسے ہی بلند حوصلہ انسان کی تلاش میں تھی۔ مجھے محنت، حوصلہ مند، مخلص، دیانت دار انسان کی تلاش تھی۔ میں سمجھتی تھی، مجھے تمہاری تلاش میں لمبا سفر کرنا پڑے گا۔ نہ جانے کتنے جستجو کے پہاڑ سر کرنے ہوں گے اور کتنی کاوشوں کی کھائیاں عبور کرنی پڑیں گی۔ میں اپنی بہنوں سے مختلف مزاج کی تھی۔ میری خواہشات بھی جدا تھیں۔ بابا نے تو ان جانے میں ایک انوکھے انداز میں میری خواہش پوری کر دی۔ اب سے پہلے میں نے کب جانا تھا کہ تم ہی میری تلاش کا حاصل ہو۔ کس طریقے، کس بہانے سے دل کے تقاضے پورے ہوتے ہیں، یہ قدرت کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔ شاید میری کوئی نیکی کوئی ادا اللہ تعالیٰ کو پسند آ گئی۔ اللہ تعالیٰ تیرا شکر، تیرا احسان۔" وہ سرشار سی سوچتی رہی۔
"اپنے طور پر تو میں نے بھرپور کوشش کر ڈالی۔ تمہارے راستے ہموار کرنے، منزل آسان کرنے کی۔ تم قبول کر دیا تمہیں، یہ تمہاری مرضی لیکن ابھی ایک خلش اور ہے۔ اس کے لیے۔ شاید مجھے تمہاری مدد کی ضرورت پڑے۔"
"یا اللہ! اب کون سی خلش موصوف کو تنگ کرنے لگی۔"
"تمہارے بابا کے سامنے اپنی اور تمہاری بے گناہی ثابت کرنا اور انہیں یقین دلانا ہے۔ دعا کرو اس

میں بھی کامیابی ہو پھر کوئی خلش باقی نہیں رہے گی۔"
"یعنی میں پھر سے اس گھر میں جاسکوں گی۔" اس نے بے حد حسرت سے سوچا۔

"جہاں پیدا ہوئی۔ پلی بڑھی' ماما تو اسے دیکھ کر سرد آہیں بھرا کرتی تھیں کیونکہ اس کے انداز عامیانہ' شوق حقیرانہ' طور طریقے کمترانہ۔ وہ بدتمیزی کے ریکارڈ توڑ چکی تھی۔ بے محابا بھاگنا' دوڑنا' صوفوں پر اچھلنا' اس پلنگ سے اس پلنگ پر چھلانگیں لگانا۔ چیخ چیخ کر بولنا' کھلونے توڑنا' کپڑے میلے کرنا' کشن اچھالنا۔ غرض ہر فضول اور بدتہذیبی کی حرکات اس سے متوقع ہوتی تھیں۔

پھر اسکول جانے میں سو نخرے۔ یہ کھاؤں گی' وہ نہیں پیوں گی۔ شروع میں بوا گھنٹوں اسکول کے گراؤنڈ میں اس کا انتظار کرتیں۔ ساتھ لے کر آتیں۔ وہ کلاس سے بھاگتی رہتی کہ بوا چلی تو نہیں گئیں پھر اگلے دن اسکول نہ جانے کا جواز تلاش کرلی۔ ٹیچر گندی ہیں' مارتی ہیں۔ لڑکیاں بدتمیزی ہیں' لنچ کھا جاتی ہیں' لڑکے بولتے ہیں' مس کو کچھ آتا ہی نہیں۔ سال کے اپنے سے دو فٹ بڑے لڑکے کے ساتھ لان میں چھلانگیں لگاتے دیکھ کر ماما اس کے مستقبل سے بالکل مایوس ہوجاتیں۔ یہ میری دوسری بیٹیوں جیسی نہیں۔ اس کی حرکتیں لڑکوں والی ہیں۔ کاش یہ لڑکا ہوتی' بھی کہتی۔

"ارے ماں کے بیٹے کے ساتھ کیسے شور مچاتی ہے جیسے وہ اس کا ہمپلہ ہو۔ اسے احساس نہیں لوگ باتیں بناتے ہیں۔ اس کی پھوپھیاں بھی ناک چڑھاتی ہیں کہ کیسا بے مہار چھوڑا ہوا ہے۔"

اس کی خیر خواہ تو سدرہ تھی۔ سدرہ' اسریٰ کے جانے کے بعد اس نے خوب پر پھیلائے' ضدیں' جھنجلاہٹ۔ بوا اس کے ساتھ لگی رہتیں پھر اس نے اسکول کے گیمز میں حصہ لینا شروع کیا۔ باسکٹ بال کی تو وہ چیمپئن کھلاڑی تھی۔ بیڈ منٹن کی بہترین کھلاڑی۔ شہر کے تمام اسکولوں کے مقابلے میں ان کا اسکول ہمیشہ اول آتا۔ کالج میں بھی اس نے اپنی پوزیشن برقرار رکھی۔ اقصیٰ یسریٰ کی شادی میں اس نے خوب انجوائے کیا۔ حمیرا آپا کی بیٹی عمیرا' مالی کی بیٹی اور خانساماں کی بیوی سب کو بلا کر ڈھولک سنبھالی۔ خوب ہلا گلا کیا۔ ماما ناک چڑھاتیں۔

"اے ہے' یوں لگ رہا ہے کسی دھوبی کے گھر میں شادی ہورہی ہو۔ توبہ' کس قدر طوفان بدتمیزی پھیلائے رکھتی ہے یہ لڑکی۔ اللہ میں کہاں چلی جاؤں۔"

"بیگم! ابھی عمر کھیلنے کی ہوتی ہے۔ بچیاں شوق پورا کررہی ہیں کرنے دیں۔" بوا سمجھاتیں۔

"بوا! یہ آپ کے لاڈ پیار نے اسے اور بھی بگاڑ دیا ہے۔ یہ گانے ہیں کہ بے ہنگم چیخ پکار۔"

"بیگم! دعا کریں بچیوں کے نصیب اچھے ہوں۔ خوشی منانے کے لیے سُر تال ضروری نہیں۔"

جب ماما باقی بیٹیوں کی قابلیت خصوصاً" تحسین کا ذکر کرتیں جو اپنی پھپھو کے پاس انگلینڈ میں تھی اور پڑھائی میں بہت آگے بھی تو بوا ناک چڑھالیتیں۔

"ہونہہ! پڑھاکو ہے تو کیا' اتنی سی عمر میں اتنی بڑی عینک لگانے لگی ہے۔ ناک چھوٹی' عینک بڑی۔ اس کے پاس ہماری آفرین کی طرح باسکٹ بال اور بیڈ منٹن تو کیا رسی کودنے کا ڈھنگ تک نہیں۔ میری بٹیا کے پاس ڈھیروں کپ اور شیلڈز ہیں۔ کھیلوں میں حصہ لینے سے مقابلے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ کھلاڑی لڑکیاں بہادر ہوتی ہیں۔ انہیں عادت ہوتی ہے مقابلے کی۔ جیتنے کا شوق ہوتا ہے' وہ ہر قسم کے حالات سے نپٹ جاتی ہیں' کبھی ہمت نہیں ہارتیں۔"

کبھی وہ پڈنگ یا سنیکس بنا کر بابا کو کھلاتی' وہ بہت خوش ہوتے انعام بھی دیتے۔ نہ جانے اس دن ان کو کیا ہوا تھا بھول ہی گئے کہ وہ انہی کی بیٹی ہے' ان ہی کا خون۔ بوا کے احتجاج کے باوجود انہوں نے وہی کیا جو کہہ رہے تھے۔ کیا انہیں مجھ سے پیچھا چھڑانا تھا یا واقعی کاروبار میں نقصان کی پریشانی اتنی زیادہ تھی کہ ... بیٹی کا کردار

باہر نظر آیا' افسوس۔

"شام کا وقت چائے پینے کے لیے بہت آئیڈیل ہوتا ہے' تم بتلاؤ گی یا میں ہی زحمت کروں۔ پہلا دن ہے اب تمہاری اتنی خاطر تو کرسکتا ہوں۔"

واثق کی آواز کہیں قریب سے آئی تھی۔ وہ اس قدر خیالات میں گم تھی کہ واثق بھی اسے ماضی کی یادوں میں مصروف پاکر خاموش ہوگیا۔ کافی دیر بعد بھی آفرین کو واپس آنے کے لیے چائے کا تقاضا آیا پھر اسے اداس پاکر خود ہی کچن میں چلا گیا۔ چائے لاکر آفرین کے سامنے رکھی تو وہ شرمندہ ہوگئی۔

"سنو' جب میں تمہیں اماں کے پاس چھوڑ کر آیا بہت اداس ہورہا تھا۔ وہ دن میں ہی تم نے خاموشی سے میرے دل میں محبت کے بیج بودیے تھے۔ مجھے احساس ہورہا تھا کہ میں غلطی کررہا ہوں۔ جب خود تمہارے بابا نے تمہیں میرے حوالے کردیا تو اب مجھے تمہیں اپنے ساتھ ہی رکھنا چاہیے تھا۔ لیکن میں تم پر جبر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں نے تم کو گاؤں میں اس لیے چھوڑا کہ میں تمہیں آزما رہا تھا۔ سوچتا تھا' تم تھک جاؤگی' میرا ساتھ نہیں دے سکوگی۔ کہاں تم کہاں میں' اس لیے تم اپنے لیے چاہو تو کوئی بہتر راستہ چن لو۔ اپنی حیثیت کے مطابق کوئی بہتر فیصلہ کرلو تو تمہارا مستقبل روشن ہوجائے گا' ورنہ میں ہمیشہ خود کو مجرم سمجھتا رہوں گا۔ ویسے بھی جذباتی فیصلے کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔" وہ سانس لینے کو رکا۔

"بس کیجیے۔" آفرین نے دانت کچکچائے' ادھر ادھر دیکھا پھر بیڈ سے تکیہ اٹھا کر اس کی طرف پھینکا۔ واثق قدرے حیران تکیہ کیچ کرکے اسے دیکھ رہا تھا پھر اس حملے کی ناکامی کے بعد دوسرا تکیہ کھینچ رہی تھی تو واثق باہر کو لپکا۔ پیچھے آفرین شور مچاتی آرہی تھی۔

"آزما رہے تھے' مجھے آزما رہے تھے' میں تھک جاؤں گی نہیں؟"

لاؤنج سے کشن اٹھا کر مارا' وہ زمین پر گرا۔ دوسرا کشن اٹھایا۔

"بہتر فیصلہ کروں میں؟"

تیسرا کشن واثق کے سر سے ٹکرایا۔

واثق ڈرائنگ روم میں داخل ہوچکا تھا۔ آفرین اس کے پیچھے۔

"جذباتی فیصلے کی زندگی میں اہمیت نہیں ہوتی۔"

ڈرائنگ روم میں کشن نہ تھے۔ میز پر رکھے پھول اٹھا کر دے مارے۔ اب وہ ایش ٹرے اٹھا چکی تھی۔

واثق نے ہاتھ جوڑ دیے اور چیخا۔

"سیز فائر' سیز فائر۔"

ایش ٹرے وہ لاؤنج سے اٹھا لائی تھی۔ مارنے کی ہمت نہیں ہوئی تو دھمکی کے لیے استعمال کرنا چاہا اور تب ہی اس کی حیران نظریں لاؤنج کے دروازے پر جم گئیں۔ وہ ساکت ہوگئی۔ واثق بھی دم بخود دروازے کو دیکھ رہا تھا' جہاں ایک حیرت انگیز منظر سامنے تھا۔

کھلے دروازے سے بوا ان کے پیچھے بابا' ماما' ان کے پیچھے سدرہ' عقیلہ چچا' اشرف اور سیف اور اسریٰ داخل ہورہے تھے۔ یہ اس کی شادی کے تمام گواہ تھے۔ آخر میں حمیرا آپا داخل ہوئیں۔ سب مسکرا رہے تھے۔ ماما حیرت سے چلائیں۔

"یہ کیا ہورہا ہے' آگ' حشر نشر کردیا گھر کا۔ بوا یہ کبھی نہیں سدھرے گی۔ آپ کے لاڈوں نے اسے تباہ کردیا ہے۔"

آنے والے سب مہمان ڈرائنگ روم کے صوفوں اور ڈائننگ چیئرز پر بیٹھ چکے تھے۔ میزبان سرخ شرمندہ چہرے لیے جھک جھک کر زمین سے کشن اٹھا رہے تھے' پھول چن رہے تھے۔

"بہت صحیح فیصلہ تھا میرا۔" بابا بلند آواز سے بولے اور ہنس پڑے۔ "کوکہ میں غصے میں تھا۔"

پھر سب ہنسنے لگے اور ہنستے چلے گئے۔ صرف میزبان ہی ہونق بنے ایک ایک کا چہرہ تک رہے تھے۔